بیادِ امامِ اہلِ سنت مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

سہ ماہی — ممبئی

افکار رضا

حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری نے مجلس رضا کے ذریعے سرکار اعلیٰ حضرت کی خدماتِ جلیلہ پر یکے بعد دیگرے رسائل شائع کیے 'نہ صلہ' 'نہ ستائش کی طلب' مقصد سامنے یہ رکھا کہ جو لوگ اعلیٰ حضرت کو صرف اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ وہ ہند میں فاتحہ اور ختم کو رواج دینے والے تھے اور ان کی ساری زندگی دسویں اور چالیسویں کے جھگڑوں میں گزر گئی یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایک نعت گو شاعر تھے، ایسے لوگوں کی آنکھوں سے ناواقفیت کے پردے اٹھا دیئے جائیں اور اعلیٰ حضرت کا علمی جلال اور ان کی صحیح شخصیت پیش کی جائے تاکہ کوئی شخص اہل سنت کے صحیح مسلک کو محض اعلیٰ حضرت سے ناواقفیت کی بناء پر چھوڑنے نہ پائے۔

علامہ غلام رسول سعیدی۔ پاکستان

تحریک فکر رضا

١٦٧، ڈم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ٤٠٠٠٠٨ (انڈیا)

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب
R.N.I. REGISTRATION NO. : 71248/99
پیشکش: محمد احمد ترازی

برصغیر میں فکرِ امام احمد رضا کا باوقار جریدہ

سہ ماہی — ممبئی

افکارِ رضا

جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء

جلد ۷ شمارہ ۱ (۲۳)

شوال المکرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

مدیر: محمد زبیر قادری

منیجر: محمد اسحٰق برکاتی

رابطہ کا پتہ : Address :

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada

Mumbai - 400 008. INDIA

Distributed in Pakistan

By:

Markazai Majlis-e-Riza

P.o.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England

By;

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,

Edgeley, Stockport, SK3 9NL

ENGLAND

فہرست

email: zubairqadri@india.com

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔008 400 سے چھپوا کر دفتر 167، ڈ، مٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔008 400 سے شائع کیا۔

اداریہ
اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا
محمد زبیر قادری

دعوتِ اسلام اور بد مذاہب

"تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (سورۂ آلِ عمران۔ ۱۱۰ ترجمۂ کنزالایمان)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ اسلام ہی اللہ رب العزت کا نازل کردہ آخری اور سچا مذہب ہے۔ اور ہم پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ جو لوگ باطل مذاہب کے ماننے والے ہیں انھیں ہم یہ بتائیں کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے 'اسی میں ساری انسانیت کی بھلائی اور نجات مضمر ہے۔ ہم اپنے اس دینِ برحق کی طرف غیروں کو دعوت دیں اور اسلام کی تبلیغ کریں۔

آج میں نے دعوتِ اسلام کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے تو اس لیے کہ اس وقت اسلام کے تمام ہی باطل فرقے صرف دو کام پر اپنی پوری محنت، توجہ اور زور دے رہے ہیں۔ ایک ہے دعوتِ اسلام اور دوسرا جہاد۔ چونکہ سیاسی حالات کے تناظر میں جہاد بہت حساس موضوع بن گیا ہے اور جہاد کی حقیقی شکل کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ اس لئے میں صرف دعوتِ اسلام کے تعلق سے چند باتیں عرض کروں گا۔

الحمد للہ۔ دعوتِ اسلام کے اس کام میں صحابۂ کرام سے لیکر آج کے صوفیائے کرام، مشائخ عظام اور علمائے کرام نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ موجودہ دور میں بھی دنیا کے ہر خطے میں اسلام کے ماننے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں وہ دور بھی دیکھا گیا جب شدھی سنگھٹن کی تحریک سے لاکھوں مسلمان مرتد ہو گئے تھے اور ہمارے علمائے کرام بالخصوص حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے سخت جدوجہد کر کے انھیں دوبارہ اسلام کے دائرے میں داخل کر لیا۔ حال ہی میں کیرالہ کے ایک پورے گاؤں کے مسلمان ہو جانے کے واقعہ نے بھی بہت سوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

لیکن...... آج جب ہم تلاش کریں کہ موجودہ دور میں اس ضرورت کو کون پورا کر رہا ہے تو ہمیں اس منظر نامے میں ذرائع ابلاغ کے گمراہ کن پروپیگنڈہ کے مطابق آنجہانی علی میاں ندوی داعی اسلام نظر آئیں گے۔ ہمیں 'الرسالہ' کے ایڈیٹر وحید الدین خان نظر آئیں گے جو خود کو عصر حاضر کا سب سے بڑا داعی سمجھتے ہیں۔ ہمیں اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کے ڈاکٹر ذاکر نائک نظر آئیں گے جو صرف انگریزی تقریروں کے ذریعہ پڑھے لکھے طبقہ کو مسلمان بناتے نظر آئیں گے۔ ہمیں جماعت اسلامی کے زکوۃ خور کارکن دکھائی دیں گے جو گذشتہ پچاس سالوں سے اقامت دین کیلئے کوشاں ہیں (لیکن اب تک دنیا کے کسی ایک چھوٹے سے گاؤں، دیہات میں بھی اسلام نافذ نہیں کر سکے)۔ تبلیغی جماعت کے ناخواندہ امیر

تبلیغی چلوں اور گشت کے ذریعہ سے بھولے بھالے مسلمانوں کو کلمہ پڑھاتے نظر آئیں گے۔ (جنھوں نے گذشتہ ستر سال کے عرصہ میں صرف صحیح العقیدہ مسلمانوں کو ہی راہِ حق سے ہٹانے کا کام کیا ہے) ہمیں تفسیر بالرائے کے ماہر عبد الکریم پاریکھ کی سرگرمیاں نظر آئیں گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد قیام خلافت کیلئے کوشاں نظر آئیں گے۔ شیعہ مجتہد ٹی وی پر "صراطِ مستقیم" دکھاتے نظر آئیں گے۔ اور تو اور منکرینِ ختم نبوت کا گروہ بھی دعوت جہنم دیتا نظر آئے گا۔

ان بے دین اور باطل فرقوں نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنے اپنے گروہ میں شامل کر کے گمراہیت کی راہ پر ڈالنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ اور ان کی پشت پناہی میں یہود، نصاریٰ اور ہنود کا سرمایہ اور دماغ کار فرما ہے۔ اسی لیے یہ لوگ دنیا کے ہر شہر، قصبہ، گاؤں، دیہات میں پہنچتے نظر آرہے ہیں۔ ان باطل فرقوں کی تبلیغِ دین کی ان کوششوں کے پیچھے ایک ہی مقصد کار فرما ہے۔ وہ ہے مسلمانوں کو بد مذہب بنانا۔ چونکہ ہر شخص دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی صحیح العقیدہ مسلمان۔ آگے جا کر وہ اپنے والدین یا ماحول کے زیر اثر ان کا مذہب اختیار کر لیتا ہے۔...... اب مسلمانوں کی اکثریت دنیا بھر میں ہر جگہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کی ہے اس لئے لازمی امر ہے کہ ان کی اولاد بھی صحیح العقیدہ مسلمان ہوں گی یعنی سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت کے عقائد کے مطابق۔ اس لئے یہ باطل فرقے اپنی افرادی قوت اور تعداد بڑھانے کیلئے دعوتِ اسلام کے نام پر صحیح العقیدہ مسلمانوں پر خوب محنت کرتے ہیں اور اپنے ماننے والوں کی تعداد بڑھاتے رہتے ہیں۔ بظاہر ان کا ہدف غیر مسلم نظر آتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ صرف مسلمانوں کو ہی راہِ راست سے بھٹکا کر اپنی جماعت میں شامل کرنے کا کام کرتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ آپ کو ان میں خال خال ہی کہیں نو مسلم نظر آئیں گے جو کہ ان کے دعوے کی قلعی کھولنے کیلئے کافی ہے حالانکہ حقیقت میں وہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کے مصداق کفر کی تاریکی سے نکل کر گمراہیت کی ظلمات میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

ان باطل فرقوں نے اپنے مذموم مقاصد میں کامیابی کیلئے ایک سازش یہ چلی کہ صرف دنیوی تعلیم یافتہ افراد پر خوب محنت کی۔ دنیوی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغین، بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والے، مختلف علوم میں تخصص Specialisation کرنے والے یہ لوگ جو ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، بزنس مین تو بن جاتے ہیں اور ان کی ڈگریاں انھیں معاشرہ میں اعلیٰ مراتب اور عہدے دلا دیتی ہیں لیکن انھیں دین کی الف ب سے بھی واقفیت نہیں رہتی۔ یہ طبقہ جب اس بے خبری میں ان افراد کو دیکھتا ہے جو جدید طریقہ کار سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرتے نظر آرہے ہیں تو یہ سمجھتا ہے کہ اسلام کی دعوت کا کام صرف یہی لوگ کر رہے ہیں۔ دنیوی پڑھا لکھا طبقہ جب یہ دیکھتا ہے کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر یا انجینئرنگ کی ڈگری لئے کوئی فرد فر فر قرآنی آیات یا احادیثِ مبارکہ سنا رہا ہے، تفسیر قرآن بیان کر رہا ہے، تشریح

احادیث کر رہا ہے تو وہ ایسے افراد کو عالموں سے بھی بڑھ کر درجہ دینے لگتے ہیں۔ دینی مدارس کے فارغ کسی عالم، فاضل، مفتی یا کسی سجادہ نشین یا شیخ طریقت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ان کی نظر میں موجودہ دور سائنس کی نئی دریافتوں کا دور ہے اور اس دور میں وہی کامیاب رہیں گے جو جدید وسائل کے ساتھ کوئی بھی کام حتیٰ کہ تبلیغ دین بھی کرتے ہوں۔ اکیسویں صدی میں فرسودہ نظریات narrow minded کے حامل افراد کی کوئی جگہ نہیں۔ اس لئے باطل فرقوں نے پڑھے لکھے دنیادار افراد کو ہی اپنا ہدف بنایا۔ انھیں کم پڑھے لکھے، ناخواندہ عوام کی اکثریت سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ طبقہ معاشرہ کی نمائندگی نہیں کرتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مسائل کے حل کیلئے بزرگانِ دین کے آستانوں یا پھر علماء کرام کے پاس جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ اس طبقہ کو "قرآن واحادیث خود پڑھو، سمجھو اور عمل کرو" کی بنیاد پر گمراہ نہیں کیا جاسکتا' اس لیے انھیں یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

دنیوی تعلیم یافتہ طبقہ کو باطل فرقے کسی اور جانب دیکھنے ہی نہیں دیتے، ان بیچاروں کی آنکھیں اس قدر بند کر دی جاتی ہیں کہ وہ کسی طرح یہ جان سکیں کہ دنیا میں اسلام کس طرح پھیلا اور کس نے اس کام کو کس طرح انجام دیا؟ آج جو دنیا بھر میں اسلام کی بہاریں نظر آرہی ہیں، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں پر خدا کی وحدانیت کا کلمہ پڑھنے والا کوئی موجود نہ ہو' یہ سب کس کی بدولت ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے فیض یافتہ افراد کے بعد اسلام کی تبلیغ واشاعت کس نے کی؟ اگر آپ کو یہ جاننا ہے تو دنیا کے کسی بھی ملک کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ اگر عملی مشاہدہ کرنا مقصود ہو تو دنیا کے کسی بھی خطے میں چلے جائیں، مسلم ملک ہو یا غیر مسلم جہاں بھلے سے تھوڑے ہی مسلمان بستے ہوں۔ وہاں آپ کو اولیاء کرام کے مزارات ضرور ملیں گے اور آپ کو ہر شخص چاہے کسی بھی دھرم، کسی بھی معاشرے کا ہو۔ کتنا ہی تعلیم یافتہ یا کیسا ہی جاہل ہو۔ عابد و زاہد یا فاسق و فاجر ہو...... یہ تمام ہی افراد ان اولیاء کرام کے مزارات کا احترام کرتے نظر آئیں گے، اس بزرگ ہستی سے توسل کرتے نظر آئیں گے، اپنی مشکلات میں مدد کیلئے پکارتے نظر آئیں گے۔ رفتہ رفتہ یہی عقیدت انسیت میں تبدیل ہو جاتی ہے جو ان کے اسلام کے قریب آنے کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ دیگر تمام مذاہب میں بیشمار ظاہری خوبیوں کے باوجود آدمی روحانی سکون کا متلاشی رہتا ہے اور ہر کسی کو اسلام کی آغوش میں ہی ابدی آرام و سکون اور راحت ملتی ہے۔...... آپ سوچئے کہ جب بعد وصال ان بزرگانِ دین کے مزارات میں وہ کشش ہے کہ ہر کوئی بلا لحاظ مسلک و مذہب، ادنیٰ و اعلیٰ...... یہاں چلا آتا ہے تو ان بزرگوں کی حیات کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔

اسلام کی تبلیغ انھیں لوگوں نے کی جنھیں یہ نام نہاد مسلمان فرقے گمراہ، فاسق و فاجر اور تحریف دین کے مرتکب سمجھتے ہیں۔ یہ فرقے دو چار غیر مسلموں کو مسلمان بنا کر اس قدر تشہیر کرتے ہیں جیسے

امت مسلمہ پر بڑا احسان کر رہے ہیں۔ اولیاء کرام جنھوں نے لاکھوں غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کر دیا، ان کی تعلیمات کو یہ قرآن واحادیث کے خلاف اور گمراہ کن بتلاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان فرقوں نے چند سو یا ہزار افراد کو مسلمان بنایا ہو گا تو لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو کافر و مشرک بھی بنایا ہے۔

دوسری طرف ہمیں کسی بھی اخبار، ٹی وی یا کسی اور ذریعہ کبلاغ پر سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کے تبلیغی واصلاحی کام کی خبر نہیں ملے گی کہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں علماء اہلسنت، مشائخ اہلسنت، مدارسِ اہلسنت، مبلغینِ اہلسنت کا کیا کردار ہے۔ صرف اور صرف اس لئے کہ تمام ذرائع ابلاغ طاغوتی طاقتوں کے ایجنٹ ہیں جن کا مشن ہی باطل کی پرورش اور حق کے خاتمے کی کوشش ہے۔ آج کا میڈیا اتنا جھوٹ پھیلاتا ہے کہ ہمارے تبلیغی واصلاحی کاموں کو بھی گمراہ فرقے کا کارنامہ بتاتا ہے۔ یورپ، امریکہ، افریقہ جیسے ممالک میں اسلام کی تبلیغ، ترویج واشاعت میں اہلسنت کا ہاتھ ہونے کے باوجود یہ اُسے باطل فرقوں کے کارنامے کے طور پر مشتہر کرتے ہیں۔ دنیادار طبقہ ان خبروں کو پڑھ کر مزید ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

اس معاملہ میں ہم اپنا جائزہ لیں کہ کچھ کوتاہیاں ہماری اپنی بھی ہیں کہ آج ہم اپنی قوتوں کو تمام ہی باطل فرقوں کے خلاف برابر استعمال نہ کر سکے۔ یہی ہوتا آرہا ہے کہ صرف کسی ایک فرقہ کے خلاف ہی اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ ہم بھلے ہی الگ الگ تنظیموں کے تحت کام کریں لیکن تمام اسلام دشمن فرقوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ان کے مخالف ہمیں اپنا کام پیش کرنا چاہیے۔ بدمذہبوں کی جانب سے جب بھی کوئی نیا حربہ سامنے آئے اس وقت یہ نہ ہو کہ ہم صرف اسٹیج پر اعلان کرتے رہیں کہ فلاں فلاں گمراہ و بے دین ہیں۔ بلکہ عملی طور پر ہم اپنا کام کریں جبھی ان کا صحیح معنوں میں رد ہو گا۔ فی زمانہ حالات کی تبدیلیوں کی بناء پر زبانی ردّ اتنا اثر انگیز نہیں ہوتا اور مثبت طریقۂ تبلیغ میں جو فوائد مضمر ہیں وہ منفی میں نہیں۔ البتہ دلائل وبراہین سے باطل کی دھجیاں اڑانا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

آج بھی ایسے بے شمار گاؤں دیہات قصبے اور شہر ہیں جہاں پر تقاریر کیلئے ہمارے واعظ حضرات کی سخت ضرورت ہے لیکن واعظین کے مطالبات پورے نہ کر سکنے کی وجہ سے عوام الناس جہل کے اندھیرے میں ڈوبی رہتی ہے جس کا فائدہ غیر اُٹھا رہے ہیں، کیا اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں؟ ہمیں ایسے خطوط بھی آتے ہیں کہ آپ فلاں فلاں کتابیں بھیج دیں یہاں بدمذاہب کا بہت زور ہے۔ علماء کرام کو بلاؤ تو ایک رات کا پانچ ہزار لے لیتے ہیں اور اس قدر فائدہ نہیں ہوتا اگر پانچ ہزار کی کتابیں تقسیم کر دی جائیں تو اس سے بہتر فوائد حاصل ہوں گے۔

ہمیں صرف غیروں کی سازشوں کا شکوہ کرنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ سرکارِ اعلیٰ حضرت کا فرمان ہمیشہ یاد رکھیں۔ ؎ سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے۔ اور اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

......☆☆☆☆......

ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ

ڈاکٹر صابر سنبھلی صدر شعبہ اردو، ایم۔ ایچ (پی۔ جی) کالج، مراد آباد

سورۂ آلِ عمران

سورۂ آل عمران کے ترجمے کا جائزہ لینا چاہتا تھا کہ اس کے شروع میں درج بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ترجمے سے ذہن کو جھٹکا لگا۔ میرے پاس ترجمہ کنزالایمان ناز پبلشنگ ہاؤس دلی کا شائع کردہ پاکٹ ایڈیشن ہے، جس کا حاشیہ تفسیر سے خالی ہے اور جس کا نمبر ۲۰ ہے۔ اس میں بسم اللہ شریف کا ترجمہ اس طرح درج ہے۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

بسم اللہ شریف کا یہ ترجمہ اُس ترجمے سے مختلف ہے جو سورہ فاتحہ اور سورہ البقرہ کی ابتدا میں دیا گیا ہے۔ یعنی

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

اس ترجمے میں دو ۲ لفظ بدلے ہوئے ہیں۔ سورۂ آل عمران کے شروع میں بسم اللہ کا جو ترجمہ درج ہے اس میں "بہت" کی جگہ "نہایت" اور "رحمت کی جگہ "رحم" طبع ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ اس مترجم کا نہیں ہے جس کا ترجمہ ابتدائی دو سوروں کے شروع میں ہے۔ تجسس پیدا ہوا تو قرآن کریم کے اس نسخے کو آخر تک دیکھ ڈالا۔ معلوم ہوا کہ ابتدائی دو سوروں کو چھوڑ کر آخر تک اسی بدلے ہوئے ترجمے کا اندراج کیا گیا ہے۔ پریشان ہو گیا کہ یاالٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔

ادارۂ استقامت کانپور نے ترجمۂ کنزالایمان کو تفسیر نورالعرفان کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔ خیال آیا کہ شاید اس سے مسئلے کا کچھ حل نکل سکے۔ اُسے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اصلاً اس کی بھی یہی صورت تھی؟ لیکن ناشر نے سورۂ آل عمران سے سورۃ الناس تک تمام سورتوں کے ابتداء میں دیئے گئے بسم اللہ شریف کے ترجموں کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے انہوں نے پہلے لفظ نہایت اور لفظ رحم کو محو کیا اور پھر "نہایت" کی جگہ "بہت" اور "رحم" کی جگہ "رحمت" کا اندراج کیا۔ یہ اندراج انہوں نے کسی خوش نویس سے نہیں کرائے بلکہ معمولی خط میں قاؤنٹن، ڈاٹ پنسل یا لکڑی کی پنسل سے یہ الفاظ لکھے۔ بعض جگہ خط بگڑ بھی گیا ہے اور بعض جگہ یہ بنائے ہوئے لفظ پلیٹ پر نہیں آئے اور ترجمے کی صورت یہ ہو گئی۔

اللہ کے نام سے شروع جو...... مہربان...... والا

اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ترجمہ وہی درست ہے جو سورہ فاتحہ اور سورہ البقرہ کے شروع میں درج ہے...... (۱-س) مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ یہ غلطی تو پکڑ میں آگئی اگر اس کے علاوہ اور غلطیاں بھی ہوئیں تو ان کا پتہ کیسے چلے گا۔ اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ مولانا عبدالمبین نعمانی قادری صاحب کا ایک مضمون بہ عنوان "اشاعت تصنیفاتِ رضا سے متعلق ضروری باتیں" سہ ماہی افکار رضا ممبئی کے اپریل تا جون ۲۰۰۰ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے لکھا تھا۔

"افسوس کہ مارکیٹ میں اب تک جتنے نسخے پائے جاتے ہیں اکثر سیکڑوں اغلاط سے مُد ہیں۔ اغلاط کی ایک فہرست راقم کے پاس موجود ہے۔ جو پونے چار سو اغلاط پر مشتمل ہے۔"

(صفحہ ۷۰-۷۱)

فقیر نے مولانا موصوف کو خط لکھا۔ انہوں نے ازراہِ عنایت اس فہرست کا عکس ارسال کر دیا۔

اس میں واقعی تاج کمپنی کے نسخہ ۲۲ کی ۳۷۴ اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے۔ فہرست میں ایک غلطی متن کی بھی ہے۔ باقی اغلاط ترجمے اور تفسیر کے ہیں۔ اس فہرست میں ایک کمی یہ ہے کہ اغلاط کی

نوٹ: (۱-س) سورۂ آلِ عمران کے ترجمے سے متعلق قسط، ۶ر جنوری ۲۰۰۱ء کو سہ ماہی افکار رضا ممبئی اور ماہنامہ "معارف رضا" کراچی کو ارسال کر چکا تھا۔ ٹھیک ایک ماہ بعد ۶ر فروری ۲۰۰۱ء کو حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کے نواسوں کے مکان (واقع مراد آباد) پر مراد آباد سے شائع ہونے والے قرآن کریم (مع ترجمہ کنزالایمان اور تفسیر خزائن العرفان طبع دوم) کی زیارت ہو گئی۔ نسخہ نہایت خستہ حالت میں ہے اور اس کا پہلا ورق موجود نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ البقرہ کی ابتدا میں بسم اللہ شریف کا کیا ترجمہ درج تھا؟ لیکن اس کے بعد بسم اللہ شریف کے تراجم میں اختلاف پایا گیا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ پہلی تو یہ کہ ادارۂ استقامت کانپور کے نسخے میں ناشر نے بسم اللہ شریف کے ترجمے میں جو تصرف کیا ہے وہ بے جا ہے۔ امام احمد رضا نے ہر جگہ بسم اللہ شریف کا ترجمہ بالکل ایک ہی نہیں کیا ہے۔ دوسری یہ کہ امام احمد رضا نے ترجمہ اتنی عجلت میں املا کرایا تھا کہ ان کے پاس بسم اللہ شریف کے تراجم کی لفظیات کو بھی یکساں کرنے کا وقت نہیں تھا۔

اس بارے میں، میں نے پھر محقق اہلسنت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری صاحب کو لکھا۔ ان کے پاس مذکورہ ایڈیشن کے علاوہ اس کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے۔ انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اس لئے میں نہایت شرمندگی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میرا یہ شک محض غلط فہمی پر مبنی تھا کہ ہر دو ترجمے ایک ہی مصنف کے نہیں ہو سکتے۔ (فقیر حقیر صابر سنبھلی)

نشاندہی سورہ نمبر اور آیت نمبر سے نہیں کی گئی بلکہ نسخہ ۲۲، کے صفحہ نمبر اور سطر نمبر لکھی گئی ہے۔ میرے لئے اس سے استفادہ مشکل ہوا تو کچھ دن بعد فہرست ایک حافظ صاحب کو اس درخواست کے ساتھ دے دی کہ وہ اس پر سوروں اور آیات کے نمبر ڈال دیں۔ وہ تھوڑا بہت کام ہی کرپائے تھے کہ ماہ رمضان المبارک آگیا اور وہ کام ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے۔

فقیر نے مولانا نعمانی صاحب کو شکریے کا خط لکھا تو ادارہ استقامت کان پور کے مطبوعہ قرآن کریم مترجم کا بھی ذکر کردیا۔ مولانا موصوف نے اس کے ترجمے کا جائزہ بھی لینا شروع کردیا اور مجھے جواب میں لکھا۔

"اب کان پور استقامت والے نسخے کی تصحیح کررہا ہوں اس میں اور زیادہ اغلاط ہیں۔ پونے دو سو صفحات کی تصحیح کے فل اسکیپ سائز کے ۲۲ر صفحات ہو چکے ہیں۔ اسی سے اندازہ لگائیں پورے ہزار صفحات کی تصحیح کا کیا حال ہوگا۔ ترجمہ، قرآن کیساتھ یہ غفلت حیرت انگیز ہے۔"

(مکتوب مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری بنام حقیر فقیر صابر سنبھلی مرقومہ ۲۸ر شعبان ۱۴۲۱ھ)

اس اطلاع سے اور زیادہ پریشان ہوا کہ قرآن کے جس ایڈیشن کو بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا تھا اس کے ترجمے میں بھی اغلاط کی بھرمار ہے۔ فقیر نے شکریے کے خط کے ساتھ نعمانی صاحب کو یہ بھی لکھا تھا کہ اس فہرست کو کسی جریدے میں شائع کرادیں تاکہ اس کا استفادہ عام ہو جائے۔ جواب میں موصوف نے تحریر فرمایا۔

"اس تصحیح نامے کی اشاعت کا خیال مجھے بھی آتا ہے، لیکن کتابت کی تصحیح جب تک میں خود نہ کروں اطمینان نہیں۔ اس لیے کسی سے گزارش کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ۹۵ء میں کاتب سے تصحیح ہوا کر رضوی کتاب گھر دہلی کو دے چکا ہوں۔ وہ نسخہ اب تک نہ چھپا۔ جب تقاضا کیجئے یہی جواب ملتا ہے، جلد چھپ جائے گا۔ خدا رحم کرے ناشرین و تاجرین پر۔" (ایضاً)

مولانا موصوف نے ۹۵ء میں کاتب سے تصحیح کرا کر رضوی کتاب گھر دہلی کو برائے اشاعت تصحیح نامہ بہ شکل فہرست بھیجا تھا۔ رضوی کتاب گھر جیسے معتبر اور بڑے ادارے کی غفلت اور کوتاہی پر یقین نہیں آتا۔ یقین آئے گا تو افسوس ہوگا۔ مسلمانان اہل سنت کو چاہیے کہ وہ اس ادارہ کے پروپرائٹر حافظ قمرالدین رضوی صاحب پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اس تصحیح نامہ کو فوراً شائع کریں اور اگر وہ اس کے لیے تیار نہ ہوں یا ٹال مٹول کریں تو ان سے حاصل کرکے کسی غیر تاجر مالدار محب رضا کے سپرد کردیں کہ وہ اس

کو چھپوادے۔ اس کارخیر کی توقع کسی ناشر سے نہ کی جائے تو اچھا ہے۔ ناشرین کی ذمہ داری ہے (وہ اس کو سمجھیں یا نہ سمجھیں) کہ ترجمۂ کنزالایمان کا ایک صحیح نسخہ شائع کریں۔ واضح ہو کہ ترجمۂ کنزالایمان کا اصل ماٰخذ ابھی ناپید نہیں ہوا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ صدرالشریعہ کا لکھا ہوا مسودہ بھی ابھی محفوظ ہے اور اُس کی زیراکس کاپیاں بھی کچھ لوگوں کے پاس ہیں۔ یہ بھی نہ ہو تو کنزالایمان کا پہلا ایڈیشن جو مراد آباد سے لیتھو پر شائع ہوا تھا اور تفسیر سے خالی تھا۔ نیز مراد آباد کا ہی چھپا ہوا دوسرا ایڈیشن جس کے حاشیے پر تفسیر خزائن العرفان بھی ہے، کے نسخے ابھی ناپید نہیں ہوئے ہیں۔ ان سے تصحیح کرکے صحیح نسخہ چھپوایا جاسکتا ہے۔ غلط سلط ترجمہ چھاپنے سے بہتر ہے کہ اس کو نہ چھاپا جائے۔

اس درد بھری فریاد کے بعد سورۂ آل عمران کے رضوی ترجمے کی طرف متوجہ ہوں۔

آیت ۱۵ — علامہ محمود الحسن صاحب اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔

"پرہیزگاروں کے لیے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں، جن کے نیچے جاری ہیں نہریں۔ ہمیشہ رہیں گے اُن میں اور عورتیں ہیں ستھری اور رضامندی اللہ کی اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے"

یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کے دو لفظ اور ایک چھوٹا فقرہ بدل کر کیا گیا ہے یعنی "بہتی" کو بدل کر "جاری" اور "ندیاں" کو بدل کر "نہریں" کر دیا گیا۔ شاہ صاحب کے ایک فقرے "رہ پڑے انھیں میں" کو "ہمیشہ رہیں گے ان میں" سے بدل دیا گیا۔ گویا شاہ صاحب کے ترجمے کی زبان میں امتدادِ زمانہ کے سبب جو اجنبیت آگئی تھی اس کو ختم کر دیا گیا، لیکن امام احمد رضا ان سے چھ۶ برس پہلے اس کا ترجمہ اس طرح کر چکے تھے۔

"پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں۔ ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور ستھری بیبیاں اور اللہ کی خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے"

دونوں ترجموں کی زبان کا فرق واضح ہے۔

آیت ۲۰ — علامہ محمود الحسن ترجمہ فرماتے ہیں۔

"میں نے تابع کیا اپنا منھ اللہ کے حکم پر"

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

"میں اپنا منھ اللہ کے حضور جھکائے ہوئے ہوں"

آیت ۲۸ — علامہ ترجمہ ارقام فرماتے ہیں۔

"مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو ان سے بچاؤ"

یہ ترجمہ بھی شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی اصلاحی صورت ہے۔ امام احمد رضا اس جز کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

"مگر یہ کہ تم اُن سے کچھ ڈرو"

سورۂ فاتحہ اور سورۂ البقرہ کے تراجم کا جائزہ لیتے ہوئے ترجمہ کنزالایمان کی آٹھ خوبیوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس سورہ کے ترجمے کا جائزہ لیتے وقت ایک اور خوبی علم میں آئی اور وہ ہے "جامعیت" (یہ خوبی سورۂ فاتحہ اور البقرہ کے تراجم میں بھی تھی لیکن ذہن کی گرفت میں نہیں آسکی) مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ اس خوبی کی واضح دلیل ہے۔ اس کی نشاندہی آگے بھی چندبار کی جائے گی۔

آیت ۳۰ - علامہ محمود الحسن صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو برقرار رکھا ہے اور کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ترجمہ یہ ہے۔

"آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اُس میں فرق پڑ جاوے دور کا"

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"کاش مجھ میں اور اُس میں دور کا فاصلہ ہو"

حق یہ ہے کہ اتنا جامع ترجمہ کسی سے نہیں ہو سکا۔

آیت ۳۷ - علامہ محمود الحسن صاحب ترجمہ فرماتے ہیں۔

"پھر قبول کیا اُن کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا ان کو اچھی طرح بڑھانا"

قارئین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ کہاں کی اردو ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

"تو اُسے اُس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اُسے اچھا پروان چڑھایا"

بقول شخصے اردو کے سب اچھے ترجمے کے مقابلے میں کنزالایمان کی جامعیت کی داد نہ دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ جامعیت سے قطع نظر دونوں ترجموں کی زبان ترسیل کا کتنا حق ادا کرتی ہے اس پر تبصرہ کرنا غیر ضروری ہے۔ کم پڑھے لکھے اور بعض ان پڑھ بھی دونوں ترجموں کے فرق کو خوبی سمجھ سکتے ہیں۔

آیت ۴۴ - شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کے ایک حصہ کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

"جب ڈالنے لگے قلم کہ کون پالے مریم کو"

ترجمے میں ابہام ہے۔ قلم ڈالنے سے کیا مراد ہے، اس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے بھی اس ابہام کو دور نہیں کیا بلکہ اس میں موجود جامعیت کی خوبی کو بھی ختم کر دیا۔ ترجمے میں تین الفاظ بڑھا کر بھی کوئی ترقی نہیں دے سکے۔ انہوں نے اس طرح ترجمہ کیا۔

"جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پرورش میں لے مریم کو"

امام احمد رضا نے اس حصۂ آیت کا ترجمہ یوں کیا۔

"جب وہ اپنے قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں"

الفاظ کی تعداد کچھ بڑھ گئی؟ لیکن ابہام ختم ہو گیا۔ جامعیت نویں خوبی تھی۔ وضاحت کو دسویں خوبی شمار کیجئے۔ (یہ خوبی بھی شروع سے موجود ہے ذہن کی گرفت میں یہاں آئی ہے)

آیت ۷۷۔ علامہ محمود الحسن صاحب آیت کے ایک جز کا ترجمہ تحریر فرماتے ہیں۔

"جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر تھوڑا مول"

اس ترجمے کا مفہوم کیا ہے یہ شاید ان جیسا علامہ ہی سمجھ سکے۔ اس کا ایک آسان سا تجزیہ کر کے دیکھئے

سوال :۔ لوگ کیا کرتے ہیں؟

جواب :۔ لوگ مول لیتے ہیں۔

سوال :۔ کیا مول لیتے ہیں؟

جواب :۔ تھوڑا مول (اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر)

اس جواب کی اور وضاحت کیجئے تو صورت یہ ہوگی۔

(الف) لوگ اللہ کے قرار پر مول لیتے ہیں۔ (ب) اپنی قسموں پر تھوڑا سا مول لیتے ہیں۔

پہلے جز کو سمجھنے کیلئے تو مترجم جیسا ہی علم درکار ہے لیکن جز "تھوڑا سا مول" خریدتے (مول لیتے) ہیں کہاں کی اردو ہے فقیر اس سے قطعی نابلد ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس حصۂ آیت کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں"

وضاحت بھی ہے اور جامعیت بھی۔ ایسا نفیس ترجمہ وہی کر سکتا ہے جس کو ہر دو زبان پر حاکمانہ قدرت حاصل ہو۔

آیت ۷۹۔ اس کے ایک جز کا ترجمہ شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ نے یوں کیا تھا۔

"جیسے تھے تم کتاب سکھاتے"

علامہ محمود الحسن صاحب نے اس کی تجدید یوں کی۔

"جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب"

گویا کہ علامہ موصوف کے نزدیک سکھانے کے مقابل سکھلاتے فصیح تر ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا۔

"اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو"

آیت ۹۵۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا۔

"سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو جاؤ دینِ ابراہیم کے جو ایک ہی کا ہو رہا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا"

اس ترجمے میں لفظ "جو" قابلِ غور ہے۔ اس کا مرجع "دین" ہے۔ دین کے بارے میں یہ کہنا مہمل بات ہے کہ وہ شرک کرنے والا نہیں تھا۔ دین سے شرک کا ارتکاب اور عدم ارتکاب خلافِ عقل ہے۔ اسی طرح دین کے متعلق یہ کہنا کہ "ایک ہی کا ہو رہا" مترجم کی انتہائی سادگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسا دین کوئی نہیں ہوا جو کسی ایک کا ہی ہو کر رہ گیا ہو۔ دس بیس ماننے والے تو ضرور ہوتے رہے۔

علامہ موصوف نے اپنے مقدمہ قرآن میں (جو قرآن کے آخر میں ہے) اور کچھ یادداشتوں میں (وہ بھی آخر میں ہی ہیں) عربی الفاظ سے متعلق بڑی دقیق بحثیں کی ہیں اور ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمۂ قرآن کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ ان کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کو عربی زبان کا بڑا زبردست عرفان حاصل تھا۔ راقم السطور کو علم نہیں کہ صورت حال کیا ہے اس لیے نہ اس کی تصدیق کر سکتا ہے اور نہ تکذیب ؛ لیکن ان کے ترجمے کے مطالعے سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ حضرت علامہ اردو زبان کے رموز و دقائق سے ناآشنا تھے۔ ایسی حالت میں ایک ذمے دار شخص کا اس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہنا بوالعجبی کے سوا کچھ نہیں۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"تم فرماؤ اللہ سچا ہے تو ابراہیم کے دین پر چلو، جو ہر باطل سے جدا تھے اور شرک والوں میں نہ تھے"

یہاں "جو" کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات ہے جو اللہ کے بندے تھے اور شرک یا عدم شرک کا ارتکاب اللہ کے بندے سے ہی ممکن ہے۔

اس کی روشنی میں صحتِ زبان، کنزالایمان کی گیارہویں خوبی شمار کیجئے۔ جو ابتدا تا انتہا موجود ہے۔

آیت ۱۰۰۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ ارقام فرمایا۔

"اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے بعض اہل کتاب کا تو پھر کر دیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر"

قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہو گا اور جنھوں نے خیال نہیں کیا ہے وہ غور فرمالیں کہ علامہ محمود الحسن صاحب کا مبینہ اردو ترجمہ قرآن (جو بقول شخصے اردو کا سب سے اچھا ترجمہ ہے) اردو نثر کی نحوی ترتیب سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس ترجمے میں بارہا بلکہ تقریباً ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے کہ فعل مقدم اور

فاعل مؤخر ہوتا ہے۔ "کردیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر" بامحاورہ اردو نہیں ہے، لہٰذا یہ ترجمہ بھی بامحاورہ نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن کے عربی الفاظ کے تقدم و تاخر کے مطابق اردو الفاظ کو مقدم اور موخر رکھنا لفظی ترجمے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ایسا ہے؟ لیکن نثر کے ابتدائی دور کا ہونے کے سبب وہ غنیمت ہے۔ پھر ہم اس کو لفظی ترجمہ ہی کہیں گے۔ بعض مورخین ادب اردو جو شاہ صاحب کے ترجمے کو بامحاورہ کہتے ہیں تو ان کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ اردو نثر کی قدامت کے زیادہ سے زیادہ شواہد کتابوں سے فراہم کیے جاسکیں۔

يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ (۱۰۰) کا جب یہ ترجمہ ہوگا۔

"کردیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر"

تو یہ لفظی ترجمہ ہوگا کیونکہ اس ترجمے کے الفاظ کی ترتیب عربی الفاظ کی ترتیب کے مطابق ہے اور اگر اس کا ترجمہ یوں کیا جائے۔

"وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر کردیں گے"

تو یہ بامحاورہ ترجمہ ہوگا۔ کیونکہ اردو نثر اور بول چال میں الفاظ کی ترتیب اسی طرح ہوتی ہے۔

حضرت علامہ کا یہ انداز بیان (اردو کی ترتیب الفاظ عربی کے مطابق) داستانوں کے زمانے کی یاد دلاتا ہے، جب کہا جاتا تھا یا لکھا جاتا تھا۔

"آنا راجہ اندر کا محفل میں اور ساز درست کرنا سازندوں کا اور ناچ دکھانا نیلم پری کا"

یا اس میں گلابی اردو (مزاح نگاری) کا رنگ نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مولانا ظفر علی خاں یا ملا رموزی اپنے قارئین کو ہنسانے کے لیے الفاظ کے الٹ پھیر سے کام لے رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ترجمۂ قرآن میں اس انداز کو مستحسن نہیں کہا جاسکتا۔

امام احمد رضا نے اس حصے کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"اے ایمان والو اگر تم کچھ کتابیوں کے کہنے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر کے چھوڑیں گے"

اس ترجمے میں اہل کتاب کے لیے "کتابیوں کا" استعمال بھی اردو کے روزمرہ کے عین مطابق ہے۔ معلوم ہوا کہ "بامحاورہ زبان" ترجمہ کنزالایمان کی بارہویں خصوصیت ہے۔

آیت ۱۰۱۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ فرمایا۔

"اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو"

یہی ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی کیا تھا؟ لیکن یہ اُس دور کی بات تھی جب اردو زبان ٹھیک سے مافی الضمیر کو ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ حضرت علامہ نے اس ترجمے میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں سمجھی اور اللہ رب العزت کی تجسیم کے فاسد عقیدے کی تقویت کا سامان پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ کسی جسم کو ہی پکڑا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"اور جس نے اللہ کا سہارا لیا"

آیت ۱۰۸ــ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا تھا۔

"اور اللہ نہیں چاہتا ظلم جہان والوں پر"

قطع نظر لفظی ترتیب کے اچھا خاصا ترجمہ تھا؛ لیکن علامہ کو یہ پسند نہیں آیا اور انہوں نے اس میں اس طرح اصلاح فرمائی۔

"اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر"

گویا اس کا کام ظلم کرنا تو ہے ؛ لیکن وہ اس وقت یا اس مخلوق پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا۔

"اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا"

یعنی اللہ رب العزت کو یہ پسند نہیں کہ اس کی مخلوق پر کوئی ظلم کرے۔ اس باریک فرق تک ذہن کی رسائی ہو جائے تو بے ساختہ زبان سے واد نکل جائے گی۔

آیت ۱۱۰ــ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا۔

"تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں"

"امتوں" جمع اور "بھیجی گئی" واحد ہے۔ غیر اردو داں حضرات بھی اردو بولنے یا لکھنے میں ایسی غلطی شاید ہی کریں۔ شاید کوئی کہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا تو جواباً عرض ہے کہ اس عہد کی اردو کی تہی دامنی کو دیکھتے ہوئے شاہ صاحب کو معذور خیال کرنا چاہئے ؟ لیکن ترجمہ کنزالایمان [illegible] جمع کا بھی خیال نہیں رکھا۔ اس وقت تو واحد اسم کے ساتھ واحد فعل اور جمع اسم کے ساتھ جمع فعل کا صیغہ ہی استعمال ہوتا تھا۔ ثبوت کنزالایمان میں دیکھا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اسطرح کیا۔

"تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں"

اگر کوئی کہے کہ واحد فعل اس لیے آیا ہے کہ اشارہ آخری امت کی طرف ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ علامہ صاحب نے ہی لفظ "تم" لکھا ہے اور اس کے ساتھ بھی واحد نہیں ہمیشہ سے جمع فعل ہی آتا ہے ہاں، اگر علامہ اردو زبان سے نا آشنا تھے تو اس کا کوئی علاج نہیں اور ان کو بھی معذور سمجھنا چاہیے۔

آیت ۱۲۱۔ علامہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں رقم طراز ہیں۔

"اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بتلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر"

اس ترجمے میں لفظ "بتلانے" پر غور فرمایئے۔ شاہ عبد القادر صاحب نے لفظ "بٹھانے" استعمال کیا تھا۔ لیکن علامہ کو فعل متعدی المتعدی سے خدا جانے اتنا لگاؤ کیوں ہے کہ اچھے خاصے ترجمے کی مٹی پلید کر دیتے ہیں۔ "بتانا" کی جائے "بتلانا" "سکھانا" کی جائے "سکھلانا" پہلے آچکے ہیں اور اب "بتلانا" میں نہ جانے ان کو کتنی شیرینی اور فصاحت نظر آئی جو شاہ صاحب کے ترجمے کی اصلاح کر دی...... بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق رقم طراز ہیں۔

"بٹھلانا، سکھلانا،...... فصیح نہیں سمجھے جاتے۔ یہی حال بتلانا کا ہے۔"

(قواعدِ اردو مصنف بابائے اردو مولوی عبد الحق ناشر ناز پبلشنگ ہاؤس دلی، سال اشاعت ندارد۔ صفحہ ۱۱۶)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"اور یاد کرو اے محبوب! جب تم صبح کو اپنے دولت خانے سے برآمد ہوئے مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے"

طرزِ نگارش، الفاظ کی دروبست، عبارت کی روانی سب چیزیں قابلِ داد ہیں۔

آیت ۱۲۸۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا۔

"تیرا اختیار کچھ نہیں، یا اُن کو توبہ دیوے خدا تعالیٰ یا اُن کو عذاب کرے، وہ ناحق پر ہیں"

خدا جانے "توبہ دیوے" کہاں کا روزمرہ ہے، کس علاقے میں بولا جاتا ہے اور کس لغت میں درج ہے۔ فقیر کو اپنی کم علمی کے سبب اس کا سراغ نہیں مل سکا۔ اس کے برعکس امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔

"یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں، یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں"

آیت ۱۳۰۔ علامہ محمود الحسن صاحب ترجمہ فرماتے ہیں۔

"اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا"

یہی ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی کیا تھا۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس میں کوئی ترقی نہیں کی۔ امام احمد رضا نے اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ"

اس ترجمہ میں علامہ صاحب کے ترجمے کے مقابلے میں جامعیت بھی ہے اور یہ اردو روزمرہ کے مطابق بھی ہے۔

آیت ۱۴۰۔ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں اور اس لیے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے"

یہ دو جملے ہیں۔ پہلے جملے کا مطلب کیا ہے بہت غور کرنے پر بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر اس جملے میں "ان کو" نہ ہوتا تو مطلب نکل سکتا تھا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے پہلے حصہ کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

"اور یہ دن بدلتے لاتے ہیں ہم لوگوں میں"

زبان اگرچہ قدیم ہے لیکن کچھ نہ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔ علامہ نے بیچ میں "ان کو" داخل کر کے ترجمے کو چیستان بنا دیا۔ چیستاں کو تو خیر پھر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ اردو کے اس ترجمے کو سمجھنے کا دعویٰ کسی کے لیے بھی مشکل ہے۔ امام احمد رضا نے اس حصے کا ترجمہ اس طرح فرمایا۔

"اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کیلئے باریاں رکھی ہیں اور اس لیے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی"

یہاں یہ لکھ دینا بھی ضروری ہوتا ہے کہ علامہ محمود الحسن صاحب کی اس چیستاں کو ان کے مفسّر نے سلجھانے کی کوشش کی اور دوسرے حصے کی وضاحت میں ہار جھک مار کر وہی لکھ دیا جو امام احمد رضا چھ برس پہلے ہی صدر الشریعہ کو املا کرا چکے تھے، یعنی۔

"سچے ایمان والوں کو منافقوں سے الگ کر دے دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے"

مفسّر نے یہ نہیں لکھا کہ اللہ معلوم کرے یا پتہ چلائے کہ کون کون ایماندار ہیں۔

آیت ۱۵۳۔ علامہ محمود الحسن صاحب اس طرح ترجمہ عنایت کرتے ہیں۔

"جب تم چڑھے چلے جاتے تھے"

چڑھے چلے جانے کا مطلب خدا جانے اس جگہ پر کیا ہے۔ اس کا ایک مفہوم تو کسی پر حملہ کرنے کے ارادے سے لیا جاتا ہے۔ کسی بلندی پر پہنچنے کی کوشش کو بھی انہیں الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور کم ہی

کسی آپے سے باہر ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قاری کون سا مفہوم مراد لے۔ اگر چہ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ نے کیا تھا، لیکن کیا بدلے ہوئے زمانے میں اس کی وضاحت ضروری نہیں تھی۔ امام احمد رضا نے ترجمہ اس طرح لکھایا۔

"جب تم منھ اُٹھائے چلے جاتے تھے"

آیت ۱۵۹۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں دو لفظ بدل کر ترجمہ اس طرح اپنے نام کر لیا۔

"سو کچھ اللہ کی ہی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو"

شاہ عبدالقادر صاحب نے "ہی رحمت" کی جگہ "مہر" اور "مل گیا" کی جگہ "ملا" لکھا تھا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے"

دونوں ترجموں کا فرق واضح ہے۔

آیت ۱۷۱۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے بغیر کوئی لفظ بدلے شاہ صاحب کا ہی ترجمہ دوہرا لیا۔ جبکہ اس میں ترمیم کی ضرورت تھی۔ بہر حال وہ ترجمہ یہ ہے۔

"اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی"

یہ اللہ رب العزت کے قول کا ترجمہ ہے اس لیے غلط نہیں ہو سکتا؛ لیکن اکثر مشاہدے میں آتا ہے کہ صاحبِ ایمان مزدور کئی کئی دن مزدوری کرتے ہیں اور ان کی مزدوری ماری جاتی ہے جو کبھی نہیں ملتی۔ قولِ خدا تو غلط ہو نہیں سکتا ترجمے میں ہی خامی معلوم ہوتی ہے۔ امام احمد رضا نے اسکا ترجمہ یوں املا کرایا تھا۔

"اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر مسلمانوں کا"

آیت ۱۹۹۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب کے قدیم اردو کے ترجمے سے ایک لفظ خارج کر کے اس کو اس طرح نیا کر لیا۔

"نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا"

شاہ صاحب "خریدتے" کے مقام پر "خرید کرتے" لکھا تھا، جو شاید علامہ موصوف کو متروک یا غلط معلوم ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اب بھی نہ متروک ہے نہ کسی اور وجہ سے غلط۔

مول بھی اور خریدنا بھی ایک ہی جملے میں اور وہ بھی دونوں لفظوں کے درمیان چار مزید الفاظ کے

ساتھ آج تک اس فقیر حقیر کی نظر سے جدید اردو کی کسی تحریر میں نہیں گزرا۔ نہ کسی کو اس طرح بولتے سُنا۔ معلوم نہیں یہ کس حصہ ملک کی اردو ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا تھا۔

"اللہ کی آیتوں کے بدلے ذلیل دام نہیں لیتے"

سورۂ نساء

آیت ۳۶۔ علامہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بے شک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا بڑائی کرنے والا"

"بڑائی کرنے والا" میں ابہام ہے۔ بڑائی تعریف کو بھی کہتے ہیں۔ ترجمے میں یہ صراحت نہیں ہے کہ کس کی بڑائی کرنے والا اللہ کو پسند نہیں آتا۔ کیا اللہ کی بڑائی کرنے والا بھی اُسے پسند نہیں۔ تو کیا اللہ کی بڑائی نہیں کرنی چاہئے؟

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

"بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا"

بڑائی مارنے کا مطلب ہے۔ ڈینگ ہانکنا، تکبر کی بات کرنا، شیخی مارنا، اپنی تعریف آپ کرنا۔ اسے کہتے ہیں ترجمے کا حق ادا کرنا۔

آیت ۶۱۔ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ہے۔

"ہم حوالہ کریں گے اُس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی"

"وہی طرف حوالہ کریں گے" معلوم نہیں کہاں کی اردو ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔

"ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے"

آیت ۱۳۳۔ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"اگر چاہے تو تم کو دور کر دے اے لوگو! اور لے آئے اور لوگوں کو"

یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں تصرف کے بعد وجود میں آیا ہے، لیکن پھر بھی علامہ کے عہد کی زبان کے مطابق نہیں ہوا جبکہ امام احمد رضا ان سے ۶ برس پہلے یہ ترجمہ کر چکے تھے۔

"اے لوگو! وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے"

دونوں ترجموں کی زبان کے فرق کو ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

آیت ۱۳۵۔ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"اگر تم زبان ملو گے یا بچاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے"

شاہ عبد القادر صاحب نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا۔ طویل مدّت گزر جانے کے بعد بھی علامہ نے اس کی زبان بدلنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ گویا وہ اس کو حسبِ حال سمجھتے تھے۔ جبکہ اُن سے پہلے امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا۔

"اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منھ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے"

ملاحظہ فرمایئے کتنا با محاورہ اور منھ بولتا ہوا ترجمہ ہے۔

آیت ۱۴۲۔ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا"

افسوس اس پر ہے کہ علامہ کو یہ بھی معلوم نہیں کون سا لفظ اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو دغابازی کا مرادِف کوئی لفظ اردو میں ملا نہیں۔ مرحلہ بھی سخت تھا؛ لیکن امام احمد رضا اس مشکل مرحلے سے بہ حسن و خوبی گزر گئے اور یہ ترجمہ املا کرایا۔

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی اُن کو غافل کر کے مارے گا"

آیت ۱۴۳۔ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"اُدھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ، نہ ان کی طرف نہ اُن کی طرف"

یہ ترجمہ بھی بلفظہ شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ کا ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے"

دونوں ترجموں کا فرق روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ جامعیت سے بھی مزیّن ہے۔

آیت ۱۵۳۔ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا۔

"تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہلِ کتاب کہ تو ان کو اتار لاوے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے۔ سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بھی بڑی چیز اور کہا ہم کو دکھادے اللہ کو بالکل سامنے۔ سو آپڑی ان پر بجلی ان کے گناہ کے باعث"

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ترجمے کو دیکھئے اور فرق محسوس کیجئے۔

"اے محبوب! اہلِ کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ اُن پر آسمان سے ایک کتاب اُتار دو تو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو اعلانیہ دکھا دو تو ان کو

کڑک نے آلیا اُن کے گناہ پر"

آیت ۱۶۱ــ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو اُن میں ہیں عذاب دردناک"

اس ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ (یعنی۔ جو اُن میں ہیں) صحیح جگہ پر نہیں ہیں اور عبارت کی روانی میں بھاری پتھر کی طرح رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ اس جگہ بھی کھپ سکتے تھے اگر ان کو قوسین میں لے لیا جاتا؟ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

اب امام احمد رضا کا بغیر کسی اہتمامِ خاص کے املا کرایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"اور اُن میں جو کافر ہوئے ہم نے اُن کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے"

آیت ۱۶۴ــ علامہ محمود الحسن نے اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ یوں کیا۔

"اور باتیں کیں موسیٰ نے اللہ سے بول کر"

خط کشیدہ (یعنی۔ بول کر) بھرتی کے الفاظ ہیں۔ یہ نہ ہوتے تب بھی یہی مفہوم ہوتا۔ یہ بھی واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بالکل یہی ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب نے بھی کیا تھا۔ علامہ نے اردو نثر کے ابتدائی دور کے زوائد کو دور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ امام احمد رضا آیت کے اس حصے کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

"اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقۃً کلام فرمایا"

آیت ۱۷۶ــ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"اور اُس کے ایک بہن ہے تو اس کو پہنچے آدھا اُس کا جو چھوڑ مرا"

علامہ نے "جو چھوڑ مرا" شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمے سے نقل کیا ہے اور یہ اُن کو اتنا پسند ہے کہ اس کی کافی تکرار کی ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا۔

"اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں سے اس کی بہن کا آدھا ہے"

لفظ "ترکہ" نے ترجمے کا حق ادا کر دیا۔ اب ضرورت ہی نہیں کہ "اس کو جو چھوڑ مرا" لکھا جائے زبان پر ایسی حاکمانہ قدرت بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ "سچ ہے جائے استاد خالیست"۔

(باقی آئندہ۔ انشاء اللہ)

امام احمد رضا کے ابتدائی چند کتابوں کے اُستاذ

"مولانا غلام عبدالقادر بیگ" کون؟

محمد حسین مشاہد رضوی۔ رضا اکیڈمی۔ اسلامپورہ۔ مالیگاؤں

سرکارِ دوعالم مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کا ارشادِ مقدس ہے کہ "ایک شخص کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق بیان کردے۔" (مسلم شریف ج ا۔ ص ۸)

ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس فرمانِ مبارکہ سے ہمیں ہدایت مل رہی ہے کہ ہم محض سنی سنائی باتوں پر اعتبار نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے عقل و شعور کا استعمال کرتے ہوئے اس کی تحقیق کریں۔ یہ حکم ان کیلئے ہے جو اللہ و رسول سے محبت کرتے ہیں۔

لیکن جن کا مقصدِ حیات اللہ و رسول سے لوگوں کو دور کرنا ہے انھیں حدیث و قرآن کی آیتوں سے مطلب؟ وہ ہر جائز و ناجائز حربوں کا استعمال کرکے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک مومن کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اللہ و رسول اور صالحین کے دامن سے انھیں دور کردیا جائے۔ آج اسلام دشمن طاقتیں یہی کررہی ہیں نہ صرف آج بلکہ ابتدائے اسلام سے دشمنانِ اسلام اللہ کی برگزیدہ شخصیتوں کے متعلق فضول اور بے بنیاد من گھڑت الزامات عائد کرتے رہے ہیں۔ انبیاء اور رسولوں کو بھی ظالموں نے نہ بخشا اور نبیوں رسولوں کے بعد بالخصوص ان معظم و محترم ہستیوں پر بھی یہ کیچڑ اچھالتے رہے جنھوں نے اللہ کے دین اور رسولِ اعظم ﷺ کے عشق کو عام کیا۔ اس زمانے میں بھی یہی کیا جارہا ہے۔ مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کی شخصیت پر باطل اور بد عقیدہ فرقے، اسلام دشمن طاقتوں سے سازباز کرکے ایسے ایسے الزامات عائد کرتے آرہے ہیں جنھیں سُن کر تعجب ہوتا ہے۔ شکایت اُن سے نہیں جو ایسی مذموم حرکتیں کررہے ہیں بلکہ گلہ اُن سے ہے جو بلا تحقیق بس سنی سنائی باتوں پر یقین کر بیٹھتے ہیں۔ اسلام دشمن طاقتیں اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی چلی جارہی ہیں۔ آج دیکھنے کو تو ہم کروروں میں ہیں لیکن ہمیں اندر ہی اندر کھوکھلا کرکے رکھ دیا گیا۔ حقیقت میں جو دینِ مصطفیٰ کے پاسبان ہیں اُن سے قومِ مسلم کو دور کیا جارہا ہے اور جن کے دامن رسولِ پاک ﷺ کی توہین جیسے بھیانک ترین جرم سے داغدار ہیں اُن کی عزت و عظمت ہمارے دلوں میں بٹھائی جارہی ہے۔ آج قومِ مسلم کو نفسیاتی مریض بنا کر رکھ دیا گیا ہے وہ محض سنی سنائی باتوں پر اعتبار کرنے لگتے ہیں آج ماحول ایسا ہو گیا بلکہ ایک منظم سازش کے تحت اللہ و رسول کے وفاداروں پر

من گھڑت اور بیہودہ اور مذموم الزامات عائد کیے جا رہے ہیں۔

اپنے اس مضمون میں ہم رسول پاک علیہ کے عاشق صادق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی پر بد عقیدہ اور باطل فرقوں کی طرف سے لگائے گئے اس الزام کا حقائق اور دلائل سے پوسٹ مارٹم کریں گے کہ مرزا غلام عبد القادر بیگ جنہوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو ابتدائی چند کتابیں پڑھائی ہیں وہ جھوٹے مدعی نبوت غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی نہ تھے بلکہ اعلیٰ حضرت کے استاذ محترم اور قادیانی کذاب کا بھائی دو مختلف شخصیتیں تھیں۔ صرف نام کی مناسبت سے مخالفینِ اعلیٰ حضرت نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ امام احمد رضا نے غلام احمد قادیانی کے بھائی سے تعلیم حاصل کی۔

اس طرح کی مذموم حرکتیں کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ شبِ ظلمتِ اعتراضات چھٹتے وقت ہی کتنا لگتا ہے جب حقائق آشکار ہو جائیں گے تو ان کا چہرہ اور زیادہ روشن و تابناک ہو جائیگا، ان کا قد اور بلند ہو جائیگا اور ہمارا حسد، کپٹ اور دروغ و تعصب سے تعمیر کیا ہوا قلعہ از خود راکھ کا ڈھیر بن جائیگا۔

آیئے سب سے پہلے امام احمد رضا کی ابتدائی چند کتابوں کے استاذ مرزا غلام قادر بیگ کے متعلق ہم ان کے پوتے مرزا عبد الوحید بیگ بریلوی سے رجوع ہوتے ہیں۔ مرزا عبد الوحید بیگ بریلوی اپنے دادا جان کے متعلق ماہنامہ "حجاز جدید" دہلی کے شمارہ اکتوبر ۱۹۸۸ء کے صفحہ ۶۷، ۶۸ پر رقمطراز ہیں۔

> "مولانا مرزا عبد القادر بیگ بریلوی کی ولادتِ مبارکہ یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ مطابق ۲۵ ر جولائی ۱۸۲۷ء کو ہوئی۔ آپ متقی، پرہیزگار اور مشہور و معروف عالم تھے آپ بریلی میں رہنے کے علاوہ کچھ دن امر تلہ لین کلکتہ میں مقیم رہے۔ آپ کی وفات یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۱۷ء میں ۹۰ ر سال کی عمر میں ہوئی آپ حسین باغ محلہ باقر گنج بریلی میں مدفون ہیں۔"

بناء کسی تبصرہ کے آیئے قادیانی کذاب کے بھائی مرزا بھائی غلام قادر بیگ کے متعلق شعبۂ تاریخ احمدیہ ربوہ (پاکستان) کے پروفیسر دوست محمد شاھد کے ایک مکتوب سے جانکاری حاصل کریں جو ۲۳ ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو پروفیسر محمد مسعود احمد کے توسط سے مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری کو ملا اور ہند و پاک کے مختلف رسائل اور کتابوں میں بھی شائع ہوا۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب کو دوست محمد شاہد لکھتے ہیں:

> "بڑے بھائی غلام قادر صاحب قادیان کے معزول تھانیدار تھے آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیحیت (۱۸۹۱ء / ۱۳۰۹ھ) سے ۸ ر سال قبل ۱۸۸۳ء میں انتقال کیا آپ خود یا آپ کے بھائی بانس بریلی، رائے بریلی یا کلکتہ میں مقیم نہیں رہے۔"

دوست محمد شاہد کے علاوہ ابو القاسم رفیق دلاوری اپنی کتاب "رئیسِ قادیان" کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۱ر اور ۱۴ر پر لکھتے ہیں کہ......

"مرزائے قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر بیگ دنیانگر قادیان کا معزول تھانیدار تھا۔ جو پچپن ر ۵۵ برس کی عمر میں فوت ہوا۔ جبکہ امام احمد رضا کے بچپن کے چند کتابوں کے استاذ مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ تعالیٰ پہلے بریلی میں رہے پھر کلکتہ چلے گئے اور بریلی سے بذریعہ استفتاء رابطہ قائم رکھے تھے۔"

ابو القاسم رفیق دلاوری کیساتھ ساتھ آیئے اور مزید جانکاری حاصل کرنے کیلئے اعلیٰ حضرت کے سوانح نگار ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری سے بھی ہم رجوع ہوتے ہیں۔ ملک العلماء اس بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے "حیات اعلیٰحضرت" کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۳۲ پر رقمطراز ہیں۔

"میں نے جناب مرزا صاحب مرحوم و مغفور (مرزا غلام قادر بیگ) کو دیکھا تھا، گورا چٹا رنگ عمر تقریباً اسی سال داڑھی سر کے بال ایک ایک کر کے سفید، عمامہ باندھے رہتے۔ جب کبھی اعلیٰحضرت کے پاس تشریف لائے اعلیٰحضرت بہت ہی عزت و تکریم کیساتھ پیش آئے۔ ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ 'امر تلالین' میں تھا وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھیجا کرتے فتاویٰ میں اکثر استفتاء ان کے ہیں۔ انھیں کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰحضرت نے رسالہ مبارکہ 'تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین' (۱۸۷۷ء / ۱۳۰۵ھ) تحریر فرمایا ہے۔"

قارئین کرام! ان تمام تاریخی حقائق و شواہد کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کیجئے آپ کو خود بخود یقین ہو جائیگا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کا بھائی اور مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی کے استاذ الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ قادیانی کذاب کا بھائی ۵۵ ربرس کی عمر میں فوت ہوا جبکہ اعلیٰحضرت کے استاذ ۸۰ ر برس میں حیات تھے۔ وہ ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا جبکہ اعلیٰ حضرت کے استاذ اسکے بعد بھی ۳۴ ر سال زندہ رہے اور ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ قادیانی کذاب کا بھائی دنیانگر، قادیان کا معزول تھانیدار تھا جبکہ اعلیٰ حضرت کے استاذ ایک متقی اور پرہیزگار عالم تھے۔ غلام احمد قادیانی کذاب کا بھائی کبھی بانس بریلی، رائے بریلی ور کلکتہ میں مقیم نہیں رہا جبکہ اعلیٰ حضرت کے استاذ نے بریلی میں اعلیٰ حضرت کو ابتدائی چند کتابیں پڑھائیں اور کلکتہ میں بھی قیام فرمایا اسکے بعد پھر بریلی شریف تشریف لائے اور بریلی ہی میں مدفون ہیں۔

ان تمام تاریخی حقائق و شواہد کے بعد یہ کہنے کا کوئی جواز ہی نہیں کہ مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی کے استاذ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بڑے بھائی تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی شرارت سے محفوظ فرمائے اور حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین) OOOOO

مجذوبوں اور خدامست درویشوں سے اعلیٰ حضرت کی ملاقاتیں

از:۔ اختر حسین خان مشاہدی مدرس مظہر العلوم دھانے پور، ضلع گونڈہ

اللہ والے کی نگاہ: اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے بچپن کا زمانہ تھا قدیم شرفاء کا دستور تھا کہ ان کے گھروں کے بچے اکیلے کہیں بھی نہیں جاتے تھے۔ اسی قسم کی پابندی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد حضرت علامہ و مولانا و مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ والرضوان کی طرف سے بھی نافذ تھی۔ بریلی شریف کی ایک مسجد میں بشیر الدین نام کے ایک مجذوب رہا کرتے تھے۔ دور دور تک ان کا شہرہ تھا۔ سارا شہر بریلی ان کا معتقد تھا ہر وقت یہاں حاجتمندوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ بشیر الدین خوش ہوتے تو کھلکھلا کر ہنستے اور عالم غضب میں ہوتے تو آنے والوں کو مجذوبانہ الفاظ سے پے در پے نوازتے مگر لوگوں کی جبینِ عقیدت مند اس کو بھی مجذوب کی دعا سمجھتے اور دامنِ مراد بھر کر واپس جاتے۔ اعلیٰ حضرت...... بھی خاندان کے بزرگوں سے مجذوب کی کرامت وبزرگی کے قصے سنا کرتے تھے۔

ایک دن آپ کے دل میں بھی مجذوب کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ تو دس برس کی عمر رہی ہوگی تن تنہا مجذوب کی ملاقات کے لئے نکلے۔ آپ کی عمر مقدس اگرچہ مختصر تھی مگر فضلِ خداوندی کا بھرپور نزول ہو رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے سوچا ہو کہ مجذوب کی بارگاہ میں حاضری کے لئے خادم کا ساتھ ہونا آئین عقیدت کے خلاف ہے۔ اس لئے خادم کو ساتھ نہ لیا ہو اور تن تنہا مجذوب کی بارگاہ میں گئے چلتے چلتے مسجد آگئی۔ آپ نے جوتا اتار اور مسجد میں داخل ہو گئے معلوم ہو رہا تھا کہ آپ کے گھر سے نکلتے ہی مجذوب کو آپ کی آمد کا علم ہو گیا۔ آپ کی نظر اٹھی تو آپ نے دیکھا کہ مجذوب مسکرا رہے ہیں کچھ دیر تک مجذوب اپنے کمرے ہی میں چارپائی پر بیٹھے بیٹھے مسکراتے رہے۔ اور کبھی کھلکھلا کر ہنس پڑتے اس کے بعد جونہی نظریں دوچار ہوئیں کہ مجذوب نے تیزی سے دوڑ کر آپ کو سینے سے چمٹالیا مگر اعلیٰ حضرت...... کو خوف و دہشت کا ذرہ برابر بھی احساس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک مجذوب صاحب کا یہی عمل جاری رہا۔ پھر مجذوب آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے کمرے کی طرف لے گئے اور وہاں پہونچ کر زمین پر بیٹھ گئے جو لوگ نگاہِ فراست رکھتے ہیں وہ مستقبل کو دیکھ لیتے ہیں۔ مجذوب کی نگاہِ فراست دیکھ رہی تھی کہ یہ بچہ (جو ان کے سامنے دوزانو باادب بیٹھا ہوا ہے) وہ مستقبل میں قطب الارشاد کے منصب جلیلہ پر فائز ہوگا۔ اور بڑے بڑے علماء اور مشائخ اس کی بارگاہ میں غلامانہ حاضری کی سعادت حاصل کریں گے۔ اور یہ امت

محمدیہ کی نگہبانی کا عظیم فریضہ انجام دے گا۔

ایک طویل اور گہری خاموشی کے بعد مجذوب نے نگاہ اٹھائی اور گویا ہوئے:

"تم مولوی رضا علی خاں کے کون ہو؟"

تمکنت کی ترنگ کے ساتھ فوراً مجدد دین وملت نے جواب دیا: "میں ان کا پوتا ہوں۔"

مجذوب پھر ہنس پڑے اور بولے: "جبھی تو......"

اور کہا "کیا مقدمہ لے کر آئے ہو؟"

آپ نے کہا "مقدمہ کوئی بھی نہیں ہے دعا کرانے آیا ہوں۔ اس بے غرض ملاقات وآمد پر مجذوب اور بھی مسرور ہوئے اور بڑی دیر تک آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہتے رہے خدا رحم کرے، خدا رحم کرے۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ چلے آئے۔

پیر و مرید: کچھ لوگ آغاز شباب میں شباب کی مستیوں میں مدہوش رہتے ہیں۔ مگر وہ ارباب وفا جو تخلیق انسان کے مقصد سے واقف وآگاہ ہوتے ہیں وہ مقصد تخلیق کی تکمیل میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی زندگی طاعت محمود، ہدایت دین، اور خدمت خلق میں گزرتی ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین وملت امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی عنہ ربہ القوی۔ بلاشبہ انہیں ارجمندوں میں سے تھے جب تجلیات ربانی کی تابشوں سے ان کا دل وجگر لگا تو تلاش ہوئی ایک ایسے پیر کامل کی جو اُسے آکر جھائے۔ بدایوں کے تاج الفحول محب رسول مولانا عبدالقادر بدایونی بریلی شریف آئے۔ آپ (امام احمد رضا) اور آپ کے والد ماجد حضرت علامہ مفتی نقی علی خان علیہ الرحمۃ والرضوان حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ مارہرہ مطہرہ کے برکاتی دربار میں حاضر ہوئے۔

مخدوم سید شاہ آل رسول تاجدار مارہرہ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اعلیٰحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدس ہاتھ اپنے نوارنی ہاتھ میں لیکر پیران عظام کے ہاتھوں میں دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دست بدست آپ کا مبارک ہاتھ تاجدار کونین ﷺ کے مقدس ہاتھوں تک پہونچادیا۔ پھر کیا تھا؟ رحمت ونور کے طبق آپ پر روشن ہوگئے۔ باہر نکلتے ہوئے حاضرین دربار کو یہ پہچاننا مشکل ودشوار ہوگیا کہ کون تاجدار مارہرہ اور کون بریلی کے مولانا صاحب......؟

مسجد خیف کی دعاء: دل بے تاب نے انگڑائیاں لیں، اب تصوف کے منازل باپ بیٹا دونوں طے کرنے لگے، جذبۂ شوق تاجدار مارہرہ کے دربار کی حاضری کے بعد تاجدار کونین ﷺ کے دربار کی حاضری کی طرف بڑھا اور سفر طے ہوگیا۔ سمندر کے تلاطم خیز سینوں کو چیرتے ہوئے حرم کی زمین پر جاپہنچے۔ اور مستوں کی مستانہ اداؤں کے ساتھ خدا کے گھر کا طواف کیا، ملتزم پر لپٹے، حجر اسود

کو بوسہ دیا، حطیم میں جاکر گڑ گڑائے، مقام ابراہیم پر جاکر پیشانی کو سجدہ سے بسایا، زمزم سے باطن کی پیاس کو بجھایا، فارغ ہوئے تو شیخ حرم نے روک کر رحمت خداوندی کے پہلے انعام کا پیغام سنایا۔انی لاجد نور اللہ بھذ الجبیین (بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں) تم دین محمدی کی روشنی ہو حرم خداوندی میں رحمتوں کی یہ پہلی نوازش تھی۔ منیٰ کے بے آب و گیاہ میدان میں اعلیٰحضرت...... جا پہونچے۔وفور بندگی میں دل نے آواز دی، آج کی رات مسجد خیف کے تبرکات وبرکات سے دامن مراد کو بھر لیا جائے۔ رات نے جب ردائے شب الٹی تو مسجد کے اندرونی حصہ سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز سنائی دی۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ یہ آواز اقطاب وابدال کی پہچان کراتی ہے۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر کی طرف چلے کہ دعائے مغفرت کریں۔ آپ کو آتا دیکھ کر مجذوب ذاکر نے ہاتھ اٹھا کر زور زور سے کہنا شروع کیا۔ اللھم اغفرلی (اے اللہ میری مغفرت فرما) آپ نے ان کو مزید تکلیف دینا گوارہ نہ کیا۔ اور اپنی جگہ پر پھر واپس آکر عبادت میں مصروف ہو گئے۔

وہ کون تھے ؟ : ''خدا والے کہاں اور کس مقام پر نہیں ہوتے ؟ ان کو پانے کیلئے دل بینا ہونا چاہئے۔''صوبہ بہار کے مشہور شہر آرا میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ کے ایک ممتاز مرید اور خلیفہ رہتے تھے، مدرسہ فیض الغرباء کے بانی بھی وہی تھے انہوں نے سہارنپور میں علوم کی تکمیل کی تھی مگر باطن کی صفائی بریلی شریف سے حاصل کی۔

ان کا نام نامی حضرت مولانا رحیم بخش قادری رضوی آروی تھا موصوف کو آرا کی قطبیت سپرد تھی اور یہ خدمت ان کو اعلیٰ حضرت...... کی طرف سے سپرد ہوئی تھی باذوق طلبہ کا ایک جم غفیر ان کے ارد گرد حاضر رہتا تھا اور مدرسہ فیض الغرباء کے سالانہ جلسوں میں ان کو فضیلت کی سند دی جاتی تھی۔

تقریباً ہر جلسے میں مولانا آروی صاحب اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو تشریف آوری کی زحمت دیا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت...... سفر سے گریز کے باوجود مولانا آروی صاحب کی دعوت کو قبولیت بخشتے تھے۔ ایک بار آرا کی واپسی میں آپ بنارس کے اسٹیشن پر اتر پڑے اور تانگہ بلا کر سوار ہو کر نامعلوم مقام کے لئے روانہ ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد گیان والی مسجد کے قریب ایک مندر کے پاس جاکر ٹھہر گئے۔ اسی دوران ادھیڑ عمر کا ایک شخص بدن میں بھبھوت ملے ہوئے تیزی کے ساتھ چلتے ہوئے آپ کے پاس آیا اور کافی دیر تک دونوں ہمکلام رہے۔

اس کے بعد وہ شخص آبدیدہ ہو کر چلا گیا۔ اور آپ بھی باچشم نم واپس لوٹ آئے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے خادم حاجی صوفی کفایت اللہ صاحب کہتے تھے کہ ان دونوں نے کس زبان میں باتیں کیں اور کیا

باتیں کیں؟ میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ اعلیٰ حضرت...... سے دریافت کیا کہ حضور یہ کون صاحب تھے؟
آپ نے فرمایا حاجی صاحب، آم کھائیے پیڑ نہ شمار کیجئے۔

شربت بشارت : ہندوستان کا عظیم شہر ممبئی جسے عروس البلاد کہا جاتا ہے۔ یہ صدیوں پہلے سے درویشوں اور مجذوبوں کا مرکز رہا ہے۔ خدا والے بھی عجیب اختیار اقتدار والے ہوتے ہیں۔ حضرت حاجی سید علی رحمۃ اللہ علیہ سمندر کی حدود میں ارد گرد والے حلقہ کو سمندر کی زد سے بچاتے ہوئے آرام فرما ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر حاجی ملنگ رحمۃ اللہ علیہ منکروں کو خدا والوں کے تصرفات واختیارات کا نظارہ کرا رہے ہیں۔ ممبئی میں ایک اور اہم شخصیت ہے جس کا نام مخدوم سید علی فقیہ ماہمی علیہ الرحمۃ ہے جو کہ ظاہر وباطن کے علوم کے تاجدار تھے۔ وہ کتابیں بھی تصنیف کرتے تھے۔

مخدوم ماہمی کے زیر سایہ ایک مجذوب رہا کرتے تھے بڑے عمر دراز، روشن وتابناک چہرہ اور بہت ہی خوبرو تھے۔ ممبئی میں فقیروں، درویشوں، مجذوبوں کے ماننے والوں کی کمی نہیں ہے۔ ماہم شریف کے معتقدین ان مجذوب کے یہاں بھی بھیڑ لگائے رہتے تھے۔ مجذوبوں کی شان بھی نرالی اور عالی ہوتی ہے۔ ان کی خدمت میں جو بھی جاتا اسے ایک مخصوص طرز کے کٹورے میں چائے قہوہ یا شربت ضرور دیا جاتا۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس اللہ سرہ اپنے ممتاز خلیفہ عید الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد عید الاسلام جبلپوری کی دعوت پر ایک بار جبل پور تشریف لے گئے وہاں حضرت عید الاسلام نے ماہم شریف کے ان مجذوب کا ذکر چھیڑا۔ اعلیٰ حضرت کو ان سے ملاقات کا اشتیاق ہوا، جانے کی خواہش ظاہر کردی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پروانوں کی ایک کثیر تعداد ساتھ جانے کیلئے تیار ہوگئی۔ گاڑی آئی سب سوار ہوئے۔ صبح ہوتے ہوتے سب نے ممبئی کی سرزمین پر قدم رکھ دیا۔ کاروانِ شوق ماہم شریف کیلئے روانہ ہوگیا۔ منزل آگئی سب اتر پڑے سب سے آگے اعلیٰ حضرت ان کے پیچھے حضرت عید الاسلام اور ان کے بعد حضرت برہان میاں کے بعد ہمراہیان "مجذوب" کے پاس پہونچے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اور سب ساتھی سلام کرکے بیٹھ گئے۔ مجذوب دیر تک بغور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو دیکھتے جاتے اور مسکراتے جاتے۔ حسب دستور اور ہمراہیوں کو چائے منگا کر پلائی۔ اور اعلیٰ حضرت سے پوچھا تم کیا پیو گے؟ قہوہ چائے یا شربت؟ آپ نے جواب دیا، جو بھی مرحمت ہو جائے۔ ان مجذوب نے اپنے خاص پینے کے گلاس میں سب چیزیں ملوا کر منگوائیں۔ اور فرمایا مولوی پیو۔ آپ نے سب پی لیا۔ اعلیٰ حضرت نے جب چلنے کی اجازت چاہی تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا جاؤ دین کی خدمت کئے جاؤ۔ دنیا تمہارے پیچھے پیچھے چلے گی اور مولانا برہان میاں کو روک کر کہا تم ان کے پیچھے چلو گے۔ تو دنیا تمہارے پیچھے چلے گی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان مجذوب کا ارشاد غلط ثابت ہوا۔ ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید ☆

خاتم المحققین مفتی نقی علی خاں

کا سوانحی خاکہ

از :۔ڈاکٹر محمد حسن قادری، ایم، اے، اردو پولیٹکل، پی۔ ایچ، ڈی

امام الاتقیا مولٰنا مولوی مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مشہور عالم اور مقتدر مفتی تھے۔ آپکی ولادت ماہ جمادی الاخریٰ یا رجب المرجب ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو محلہ ذخیرہ بریلی میں ہوئی۔

خاندان: امام الاتقیا کا نسلی علاقہ افغانستان کے معروف قبیلہ بڑیچ سے ہے۔ قبیلہ بڑیچ افغانستانیوں کا مؤقر معزز قبیلہ ہے جس میں جلیل القدر انبیاء و اولیا، علماء، صوفیا و مشائخ ہوئے ہیں۔ ان کے مزارات افغانستان و ہندوستان میں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ قبیلہ بڑیچ کا مستند شجرہ اس قبیلہ کے معروف صاحب علم و فن والئ روہیل کھنڈ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں نے اپنی معروف تصنیف "خلاصہ النساب" میں حضرت آدم علیہ السلام تک درج کیا ہے۔ قبیلہ بڑیچ میں مندرجہ ذیل انبیائے کرام ہوئے ہیں :۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت شیث علیہ السلام (۳) حضرت ادریس علیہ السلام (۴) حضرت نوح علیہ السلام (۵) حضرت ہود علیہ السلام (۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۷) حضرت اسحٰق علیہ السلام (۸) حضرت یعقوب علیہ السلام۔

قبیلہ بڑیچ کے معروف بزرگ درج ذیل ہیں :۔

ملک طالوت:۔ یعقوب علیہ السلام کی چھٹی پشت میں ملک طالوت پیدا ہوئے، آپ اسرائیل کے بادشاہ ہوئے۔

افغنہ:۔ افغنہ ملک طالوت کے پوتے تھے۔ آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور ان کے دور اقتدار میں اعلیٰ خدمات پر مامور تھے۔ افغنہ سے نسبی علاقہ رکھنے والے افغان کہلائے۔

قیس عبدالرشید:۔ آپ کا نسبی علاقہ افغنہ سے ہے آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیس عبرانی لفظ ہے اور میں عرب ہوں لہٰذا حضور اقدس نے آپ کا نام عبدالرشید رکھا۔ آپ مکہ کی جنگ میں شریک ہوئے بڑی شجاعت اور

جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ آپ سے سرکارِ مدینہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور دعائے خیر کے ساتھ فرمایا "عبدالرشید کی اولاد سے سلسلۂ عظیم پیدا ہوگا جو قیامت تک دین کو مستحکم کریگا۔" حضرت ملک عبدالرشید کا عقد حضرت خالد بن ولید کی دختر مطاہرہ کے ساتھ ہوا۔ آپ کا وصال ۸۷ سال کی عمر میں ہوا۔ ۱؎

حضرت ابراهیم سڑه بن :۔ حضرت ابراہیم انتہائی متقی و پرہیزگار تھے۔ سڑھ بن کے معنی پشتو میں حلیم الطبع کے ہیں آپ بہت حلیم الطبع تھے اس لئے آپ کی عرفیت سڑھ بن ہوئی۔ آپ کے پوتے بڑیچ ہوئے اور آپ ہی قبیلہ کے مورثِ اعلیٰ ہوئے اور قبیلہ بڑیچ اپنی شجاعت و جوانمردی سے قندھار پر برسر اقتدار ہوگیا۔ قندھار اور افغانستان پر سینکڑوں سال تک قبیلہ بڑیچ کی حکمرانی رہی۔

شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں :۔ آپ قبیلہ بڑیچ کے معزز سردار تھے۔ آپ نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ نادر شاہ واپس ملک چلا گیا لیکن شجاعت جنگ سعید اللہ خاں نے ہندوستان میں ہی سکونت اختیار کرلی۔ محمد شاہ بادشاہ نے آپ کو لاہور کا شیش محل بطور جاگیر عطا کیا اور منصب شش ہزاری اور شجاعت جنگ خطاب سے نوازا۔ آپ کے فرزند سعادت یار خان سعادت مند تھے جن کے سن بلوغ کو پہنچنے پر حضرت شجاعت جنگ نے دربارِ شاہی سے علیحدگی اختیار کرلی اور باقی عمر یادِ الٰہی میں متوکلانہ بسر کی۔ ۲؎ آپ ہی حضرت مولٰنا نقی علی خاں کے جد امجد ہیں جو اس خاندان کو ہندوستان لانے اور آباد کرنے کے بانی ہیں۔

سعادت یار خاں :۔ شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں کے سعادت مند فرزند سعادت یار خاں محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہوکر وزیر مال کے منصب پر فائز کئے گئے۔ علاقہ کٹھیر جو بعد کو روہیل کھنڈ مشہور ہوا۔ سلطنت دہلی کی گرفت اس پر ڈھیلی پڑگئی تو سلطنت دہلی نے روہیل کھنڈ کے باغیوں کے خلاف تادیبی کارروائی کے لئے فوج کشی کا ارادہ کیا اور اس مہم کو سر کرنے کیلئے قرعہ فال سعادت یار خاں کے نام نکلا۔ سعادت یار خاں نے جبلی شجاعت اور جنگی مہارت کے خوب جوہر دکھائے۔ انجام کار ۲؍جون ۱۷۴۵ء کو روہیلوں نے ہتھیار ڈال دئے اور نواب علی محمد خاں بادشاہ کے روبرو ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا۔ اس طرح فتح بریلی کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ شاہ نے مسرور ہوکر آپ کو بریلی کا صوبہ دار بنانے کا فرمان جاری کردیا لیکن فرمانِ شاہی اس وقت ملا کہ آپ بستر مرگ پر تھے اس لئے بریلی نہ صوبہ بن پایا اور نہ آپ صوبہ دار بن پائے۔ ۳؎

سعادت یار خاں نے اپنے دورِ وزارت میں دہلی میں دو نشانیاں چھوڑیں اوّل بازار سعادت گنج دوئم

سعادت نہر۔ حوادثِ روزگار کے دستِ ستم سے ان دونوں میں کوئی نشانی نہ بچ سکی۔ مولینا نقی علی خاں کے پوتے حضرت مولینا حسنین رضا خاں کا قول ہے کہ۔

"سعادت یار خاں کی مہر وزارت میری جوانی کی عمر تک موجود تھی اور میں نے اس مہر کو دیکھا بھی تھا" ۵۔

مولانا حسنین رضا خاں ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے اگر ان کی جوانی کی عمر چالیس سال مان لی جائے تو اس طرح ۱۹۳۲ء تک سعادت یار خاں کی مہر وزارت آپ کے خاندان میں موجود تھی۔ اس دور میں عبدالعزیز خاں عاصی "تاریخ روہیل کھنڈ" مرتب کر رہے تھے انہوں نے حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے اس تاریخ کی ترتیب میں معاونت کی استدعا کی تھی۔ حضور مفتی اعظم ہند نے اس خاندان میں محفوظ شاہی دور کے سکے اور مہریں ان کو دی تھیں۔ ان میں سے کچھ سکوں کے عکس کو مولینا عاصی نے "تاریخ روہیل کھنڈ" میں حضور مفتی اعظم ہند کے حوالے سے شائع بھی کیا۔ وہ سکے اور مہر عاصی بریلوی نے واپس نہیں کئے اور بر بنائے وضعداری حضور مفتی اعظم ہند نے واپس بھی نہیں مانگے۔ آخر عمر میں عبدالعزیز خاں عاصی مفلوک الحال ہو گئے تھے اور بریلی کے محلہ کٹگھر میں لب سڑک ایک جھونپڑی میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً یہ سکے اور مہریں عاصی بریلوی کی مفلوک الحالی کی بھینٹ چڑھ کر کسی سنار کی بھٹی کی ستم کاری کا شکار بن گئے۔

سعادت یار خاں کے تین فرزند شہزادہ محمد اعظم خاں، شہزادہ محمد معظم خاں اور شہزادہ محمد مکرم خاں تھے۔

حضرت مولانا محمد اعظم خاں :۔ سلطان محمد شاہ کے وزیرِ دولت سعادت یار خاں کے فرزندِ اکبر مولینا محمد اعظم خاں تھے۔ آپ بھی دربار شاہی سے وابستہ تھے۔ لیکن آپکی طبیعت مائل بہ زہد تھی اسلئے آپ نے امورِ دنیا سے سبکدوش ہوکر زہد و ریاضت کی راہ لی اور ساری عمر یادِ الٰہی میں گزاری۔

اعظم خاں نے دو شادیاں کی تھیں زوجہ اولیٰ سے حافظ کاظم علی خاں اور زوجہ ثانیہ سے چار صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک کا نام فہمیدہ بیگم تھا جن کا عقد ولی محمد خاں رفیع کے ساتھ ہوا۔ فہمیدہ بیگم کا انتقال ۱۸۳۸ء میں ہوا۔

محمد اعظم خاں نے اپنی رفیقہ حیات سلطان خانم کے نام سے دہلی میں ۲۹ ر جمادی الاول ۱۱۲۸ھ کو کٹہرہ خریدا یہ کٹہرہ محلہ نثار خاں میں لاہوری دروازہ پر واقع تھا۔ اس کٹہرہ کے حدود اربعہ درج ذیل ہیں:

شرق :۔ شارع عام وللہ الباب

غرب :۔ حویلی ورثا جوالا ناتھ تمبا کو والے

جنوب :۔ حویلی شاہ غلام حسین وغیرہ

شمالی :۔ حویلی مشترکہ مدعی و دوارکاداس

اس مقام پر اعظم خاں کی ایک حویلی تھی جیسا کہ مذکورہ کٹہرہ کے حدِ شمالی سے واضح ہے۔ غالباً اسی حویلی کا نصف حصہ اعظم خاں نے دربار شاہی سے قطع تعلق کرنے کے بعد دوارکاداس کے ہاتھ فروخت کردیا اور نصف حصہ میں خود سکونت پذیر تھے۔ محمد اعظم خاں صاحبِ جائیداد آدمی تھے آپ نے اپنی بیوی کی جائیداد کی دیکھ بھال کے لئے مختار کار ولی محمد خاں شوہر فہمیدہ بیگم دختر خود کو مقرر کیا تھا۔ مذکورہ کٹہرہ کی ملکیت کے تنازعہ سے متعلق ایک مقدمہ ۱۸۴۵ء دہلی کی دیوانی کچہری میں ۲۸/اپریل ۱۸۴۵ء کو صدرالصدور مولوی صدرالدین خاں آزردہ کی عدالت میں اعظم خاں پوتے رضا علی خاں کے خلاف شجاعت علی خاں نے قائم کیا تھا۔ اس مقدمہ کے فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد اعظم خاں کا انتقال ۱۸۱۵ء کے آس پاس ہوا ہوگا۔ مفتی صدرالدین خان کی عدالت سے وراثت کی بنیاد پر مذکور کٹہرہ اعظم خاں کی ملکیت قرار دیا گیا جس کو انہوں نے مسمات امتیاز بیگم زوجہ عطاء اللہ خاں کے حق میں بیع کردیا تھا۔ اعظم خاں کے بعد ان کے بیٹے کاظم علی خاں نے ۷/مارچ ۱۸۲۹ء کو سعد اللہ خاں جو اعظم خاں کے پرنواسہ تھے، کو مختارِ عام مقرر کیا۔ اعظم خاں نے تارک الدنیا ہونے کے بعد دہلی کی سکونت ترک کردی اور بریلی کے محلہ معماران کو اپنا جائے مسکن بنایا۔ جس جگہ آپ نے قیام کیا "شہزادہ کا تکیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ اسی تکیہ کے گوشہ میں مدفون ہوئے۔ "تذکرہ جمیل" کے مصنف اعظم خاں کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

> "اعظم خاں نے منصب وزارت سے سبکدوش ہو کر زہد و ریاضت کی وادی میں قدم رکھا اور ملک کو چھوڑ کر مالکِ الملک کو اپنانے کی ادہمی اور سمرانی مثال ایک بار پھر پیش کی اور حکومت کی کرسی سے الگ ہو کر محلہ معماران بریلی کے قبرستان کو اپنا مسکن بنایا۔"

مولانا حافظ کاظم علی خاں :۔ سلطنتِ مغلیہ کا زوال شروع ہوا جس کی وجہ سے حافظ کاظم علی خاں صاحب سلطنتِ اودھ سے وابستہ ہوگئے۔ فرضِ منصبی کی ادائیگی کی اور عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کے صلہ میں آپ کو سلطنتِ اودھ سے بدایوں کا نظم و نسق سپرد کیا گیا۔ دو سو سواروں کی بٹالین آپ کی خدمت میں رہتی تھی۔ آٹھ گاؤں آپ کو ملے تھے جن میں سے دو گاؤں آپ نے اپنے متعلقین کو عطا کردیئے تھے بقیہ مندرجہ ذیل ۶ گاؤں آپ کی جاگیر میں رہے :۔

(۱) اسہیت (۲) نہٹور (۳) تقی پور (۴) کرتولی (۵) مرزاپور (۶) نگلا ۸ ؎

یہ گاؤں معافی و دوامی تھے اور نسلاً بعد نسلاً آپ کے خاندان کے پاس رہے۔ قانون خاتمہ زمیں داری ۱۹۵۲ء کے نفاذ کے بعد ضبط کئے گئے۔ سیر کاشت مذکورہ بالا اب بھی آپکے ورثا کے پاس موجود ہے۔

مولانا کاظم علی خاں دین دار صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کے پیر طریقت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت شاہ نور الحق فرنگی محلی سے سلسلہ رزاقیہ میں بیعت تھے اور آپ کو اپنے پیر و مرشد سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ آپ بڑے عاشق رسول تھے۔ ۱۲؍ ربیع الاوّل شریف کو میلاد شریف بڑے تزک و احتشام سے منعقد کرتے تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی آپ کی نسل میں بر قرار ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں :۔

"حضرت مولانا کاظم علی خاں ہر سال ۱۲؍ ربیع الاوّل کو محفل میلاد مبارکہ بڑے التزام سے منعقد کرتے تھے۔ الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔" ۱۰؎

مولانا کاظم علی خاں کی زوجہ اولیٰ سے دو فرزند امام العلماء مولانا رضا علی خاں اور حکیم تقی علی خاں تھے اور ایک دختر زینت بیگم عرف موتی بیگم تھیں۔ زوجہ ثانیہ سے تین دختران بدر النساء، صدر النساء اور قمر النساء تھیں۔ زوجہ ثالثہ حرم کا نام سلونی بیگم تھا۔ جن کے بطن سے جعفر علی خاں پیدا ہوئے جو لاولد فوت ہوئے۔ حافظ کاظم علی خاں کی نسل آپ کے دونوں فرزندوں سے چلی۔ زینت بیگم عرف موتی بیگم کی شادی بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ حیات اعلیٰ حضرت کے مصنف مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کا یہ قول کہ ان کی شادی خان محمد حیات خاں سے ہوئی تھی اور یہ یوسف زئی تھے۔ ۱۱؎ تسامح پر مبنی ہے ۱۹؍ مئی ۱۸۸۳ء کو ورثا کے درمیان تقسیم جائیداد عمل میں آئی۔ تقسیم نامہ میں زینت بیگم عرف موتی بیگم کے شوہر کا نام بندے علی خاں درج ہے۔ اس تقسیم نامے پر بندے علی خاں کے دستخط اور مہر ہے اور موتی بیگم کے کار مختار کی حیثیت سے کوچک علی خاں کے دستخط ہیں۔ کوچک علی خاں موتی بیگم کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ایک اور دستاویز ۷؍ مارچ ۱۸۳۹ء کا بیعنامہ ہے۔ یہ بیعنامہ موتی بیگم نے اپنے بیٹے کوچک علی خاں ولد بندے علی خاں کی بیوی بیگم جان کے حق میں موضع اسہیت و موضع کرتولی کی جائیداد بیع کی ہے، اس بیعنامہ کی سطر اوّل اس طرح ہے :

"من کہ مسماۃ موتی بیگم بنت محمد کاظم علی خاں زوجہ بندے علی خاں مرحوم ساکن شہر بریلی" ۱۲؎

یہ بیعنامہ فارسی میں ہے اس بیعنامہ پر کچھ اور لوگوں کے علاوہ مولانا رضا علی خاں کے بھی دستخط

ہیں۔ موتی بیگم کے دو فرزند نعمت علی خاں عرف بزرگ علی خاں و کوچک علی خاں تھے۔ نعمت علی خاں کے بیٹے حاجی وارث علی خاں سے مولانا نقی علی خاں کی دختر حجاب بیگم کا عقد ہوا تھا۔

امام العلماء مولانا رضا علی خاں :۔ حافظ کاظم علی خاں کے فرزند اکبر مولانا رضا علی خاں تھے۔ آپ کی ولادت بریلی میں ۱۲۲۴ھ میں ہوئی اور بعمر باسٹھ سال ۲ر جمادی الاول ۱۲۸۶ھ کو وصال ہوا ۱۳؎ نزد سٹی اسٹیشن بریلی واقع قبرستان بہار پور سول لائن آپ کی آخری آرامگاہ ہے۔ آپ نے جملہ علوم وفنون کی تکمیل ۱۲۴۷ھ میں حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب رامپوری ابن ملا عرفان ولایتی رامپوری سے رامپور اور ٹونک میں حاصل کی۔ "تذکرہ علمائے اہل سنت" میں آپ کی سن ولادت ۱۲۶۴ھ لکھی ہے، جو غلط ہے ۱۴؎

فقہ میں آپ کو دسترس خاص حاصل تھا۔ روہیلہ دور کے شاہی خاندان کے آخری چشم وچراغ مفتی محمد عیوض صاحب کی ۱۸۱۶ء میں انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد مسند افتاء خالی تھی۔ ۱۸۱۶ء میں مفتی محمد عیوض بریلی سے ٹونک تشریف لے گئے اور ۱۸۱۸ء میں وہیں فوت ہوئے۔ ایسے نازک دور میں امام العلماء مولانا رضا علی خاں نے مسند افتاء کو رونق بخشی۔ آپ اپنے دور میں مرجع فتویٰ تھے آپ کی تقریر انتہائی پر اثر ہوتی تھی۔ محفل خوف خدا سے آہ وبکا کر اٹھتی تھی۔ انتہائی منکسر المزاج تھے۔ دنیا سے استغنا آپ کا شیوہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عشق رسول سے نواز تھا اس لئے آپ ناموس رسالت کے دشمنوں سے متنفر رہتے تھے۔

امام العلماء کو اجازت وخلافت اور سند حدیث مولانا خلیل الرحمٰن سے اور ان کو فاضل محمد سندیلوی سے اور ان کو ملک العلماء ابو العیاش محمد عبد العلی لکھنوی سے تھی۔ ۱۵؎

امام العلماء نے جمعہ اور عیدین کے لئے عربی زبان میں خطبات تصنیف کئے جس کو آپ کے شاگرد و مرید مولوی محمد حسن علمی نے ترتیب دیکر "خطبات علمی" کے نام سے شائع کیا۔ یہ خطبات آج بھی برصغیر (ہندو پاک وبنگلہ دیش) میں جمعہ اور عیدین کو پڑھے جاتے ہیں۔ خطبات میں اردو کے منظوم خطبات مولانا محمد حسن علمی کے ہیں اس لئے خطبات علمی پر محمد حسن علمی نام بحیثیت مؤلف لکھا ہے۔

امام العلماء جید عالم باعمل اور معروف مفتی وقت ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر مجاہد آزادی بھی تھے آپ تمام عمر انگریز سامراجیت کے خلاف برسرپیکار رہے آپ جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ آپ کے مجاہدانہ مزاج اور کارناموں نے انگریز سامراجیت کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کردیا تھا۔

آپ نے جنگ آزادی میں عملاً خود بھی حصہ لیا اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام اور بالخصوص مسلمانوں کے جذبہ حریت کو بیدار کیا۔ امام العلماء کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے تنگ آکر انگریزوں نے آپ کا سر قلم کرنے پر انعام رکھ دیا تھا مگر باوجود کوشش کے جنرل ہڈسن نہ تو آپ کو قتل کرا سکا اور نہ ہی گرفتار کرا سکا۔ جب بھی انگریز سپاہی آپ کو تلاش کرتے آپ مسجد میں مشغول عبادت ہوتے مگر اللہ تعالیٰ انگریز سپاہیوں کو اندھا کر دیتا۔ امام العلماء کبھی انگریز سپاہیوں کو نظر نہ آئے۔

رئیس الاتقیاء مفتی نقی علی خاں

امام العلماء حضرت مولانا رضا علی خاں کے فرزند رئیس الاتقیاء مولانا مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت، جمادی الآخر یا رجب ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت و علم و فضل :۔ رئیس الاتقیاء مفتی نقی علی خاں نے جملہ علوم و فنون کی تعلیم اپنے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں سے حاصل کی۔ آپ ایام طفلی سے ہی پرہیزگار اور متقی تھے۔ کیونکہ آپ امام العلماء کے زیر تربیت رہے جو نامور عالم اور عارف باللہ بزرگ تھے جن کی پرہیزگاری کا جوہر مولانا کو ورثہ میں ملا تھا۔ پھر بفضل ایزدی میلان طبع بھی نیکی کی طرف تھا۔ مولانا نقی علی خاں علم و عمل کا بحر ذخار تھے۔ آپ کی ذات مرجع خلائق و علما تھی آپ کی آراء و اقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے۔ کثیر علوم میں تصنیفات مطبوعہ و غیر مطبوعہ آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔

امام الاتقیاء مولانا نقی علی خاں مندرجہ ذیل علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے :۔

علم قرآن	تاریخ	اخلاق	علم زائچہ
علم تفسیر	لغت	ہندسہ	علم العقائد
حدیث	ادب (مع جملہ فنون)	اسماء الرجال	علم نحو
اصول حدیث	تکسیر	بدیع	علم صرف
سلوک	فلسفہ	منطق	معنی و بیان
تصوف	سیر	ہیئات و حسنات	قرأت
مربعات	علم جفر	علم فرائض	علم توقیت
نظم عربی	نظم فارسی	نظم اردو	نثر عربی
نثر فارسی	نثر اردو	خط نسخ	خط نستعلیق

تلاوت مع تجوید　　علم معانی وبیان　　فقہ حنفی　　فقہ جملہ مذاہب

اصولی فقہ　　جدل مذہب　　مناظرہ ۱۶؎

آپ مذکورہ بالا تینتالیس (۴۳) علوم وفنون کے علاوہ منطق وفلسفہ کے بھی ماہر تھے۔ آپ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ آپ کے تبحر علمی کا اعتراف آپ کے ہم عصر علماء نے بھی کیا۔ آپ عالم اسلام کی ان مقدس ترین شخصیتوں میں سے تھے جنھوں نے تاحیات علم وعرفان کے دریا بہائے۔ آپ نے زبان وقلم کے ذریعہ اشاعتِ دین اور ناموس رسالت کے لئے جہاد پیہم کیا۔ آپ کے علم وفضل کی شہادت کیلئے آپ کی تصانیف شاہد وعادل ہیں۔ عوام وخواص کی رشد وہدایت کیلئے آپ کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری ہوتے تھے۔ ایک بار امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نہایت پیچیدہ مسئلہ کا حکم بڑی کوشش وجانفشانی سے لکھا اور اس کی تائید مع تنقیح آٹھ اوراق میں جمع کیں۔ امام احمد رضا نے اپنا لکھا ہوا فتویٰ اپنے والد مفتی نقی علی خاں کے سامنے پیش کیا تو آپ نے کوئی ایسا جملہ بتایا جس سے یہ اوراق رد ہو گئے اس طرح کے جملوں کا اثر خود امام احمد رضا کے الفاظ میں :۔

"وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک اُن کا اثر باقی ہے۔" ۱۷؎

مولانا نقی علی خاں کے علم وفضل ان کی تبحر علمی اور جامعیت کا اندازہ امام احمد رضا خاں کی اس ہدایت سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے شاگرد مولانا احمد اشرف کچھوچھوی کو کی تھی۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں :

> "ردّ وہابیہ اور افتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک حاذق طبیب (مولانا نقی علی خاں) کے مطب میں سات سال بیٹھا ہوں۔"

اس طرح مولانا نقی علی خاں علم وعرفان کا مخزن اور رشد وہدایت کا شاہکار نظر آتے ہیں۔ قلمی طور پر آپ نے دین مبین کے لئے جو کارنامے انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک آپ کے علم وفضل کی شہادت دیتے رہیں گے۔

اخلاق وعادات :۔ امام الاتقیا مولانا نقی علی خاں کے اخلاق وعادات بہت عمدہ تھے۔ پوری زندگی اتباع رسول اور عشق رسول میں گزری۔ اپنی ذات کیلئے کبھی کسی سے انتقام نہ لیا۔ دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، سلام میں سبقت کرتے تھے، کبھی قبلہ کی طرف پاؤں نہ کرتے اور نہ احتراماً کبھی قبلہ کی طرف تھوکتے تھے۔ غربا ومساکین اور طلباء کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے۔ علماء وطلباء کا بہت احترام کرتے تھے ان کے آنے پر بہت خوش ہوتے تھے غرور وتکبر نام کو نہ تھا۔ خدا کی رضا

کیلئے خدمت دین آپ کا مشغلہ تھا۔ کسی غرض یا ذاتی مفاد کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا۔

عاشق رسول :۔ امام الاتقیا سچے عاشق رسول تھے۔ کیونکہ عشق رسول ہی عشق الٰہی کا ذریعہ ہے۔ عشق رسول کے بغیر بندہ عشق الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ امام الاتقیا کو سرور دو جہاں سے سچا عشق تھا۔ مولانا کے ہر قول و عمل سے عشق رسول کی جھلک نمایاں ہے۔ آپ کو حضور اکرم سے زبردست گرویدگی اور وارفتگی تھی۔ آپ تمام عمر پورے عالم کو اتباع نبوی میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے۔ عوام و خواص۔ علماء و دانشور، غریب و سرمایہ دار۔ غرض یہ کہ سب کے سامنے آپ کی گفتگو کا موضوع حضور اکرم ﷺ کا عشق و محبت ہوتا اور اتباع کی تلقین ہوتی۔

ایک بار امام الاتقیا بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے کافی نقاہت ہو گئی۔ محبوب رب العالمین نے اپنے فدائی کے جذبۂ محبت کی لاج رکھی اور خواب ہی میں ایک پیالے میں دوا عنایت فرمائی جس کے پینے سے افاقہ ہوا اور وہ جلد ہی رو بصحت ہو گئے۔ ۱۹۔

بیعت و خلافت :۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی اپنے خلف اکبر امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور مولانا عبد القادر بدایونی کے ہمراہ ۵ / جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور سیدنا شاہ آل رسول قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ امام احمد رضا بھی اسی مجلس میں سید آل رسول شاہ صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اسی مجلس میں آپ نے دونوں کو خلافت و جملہ اجازت سے سرفراز فرمایا۔

اجازت سند حدیث :۔ امام الاتقیاء مولانا نقی علی خاں کو سند حدیث مندرجہ ذیل چار سلسلوں سے حاصل تھی:

(۱) سید شاہ آل رسول مارہروی سے اور وہ اپنے مشائخ سے بیان کرتے ہیں جن میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی بھی ہیں اور وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے۔ ۲۰۔

(۲) اپنے والد امام العلماء مولانا رضا علی خاں سے وہ مولانا خلیل الرحمٰن محمود آبادی سے وہ فاضل محمد سندیلوی سے اور وہ ابو العیاش محمد عبد العلی سے۔ ۲۱۔

(۳) سید بن سید بن زینی دحلان مکی سے اور وہ شیخ عثمان دمیاطی سے۔ ۲۲۔

(۴) مولانا نقی علی خاں کو شیخ محقق عبد الحق دہلوی کی طرف سے بھی حدیث مسلسل بالاولیت کی سند حاصل تھی۔ ۲۳۔

حج و زیارت :۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی ۲۶ / شوال ۱۲۹۵ھ کو حج و زیارت کیلئے روانہ ہوئے یہ وہ دور تھا کہ آپ شدت سے علیل تھے اور ضعف انتہا کو تھا اس سلسلہ میں امام احمد رضا فرماتے ہیں :

> "عزم زیارت وحج مصمم فرمایا یہ غلام (امام احمد رضا) اور چند اصحاب وخدام ہمراہ رکاب تھے ہر چند احباب نے عرض کیا کہ علالت کی یہ حالت ہے آئندہ سال پر ملتوی فرمایئے۔ ارشاد فرمایا مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازہ سے باہر نکالوں پھر چاہے روح اسی وقت پرواز کر جائے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی بلکہ مرض ہی خود نبی اکرم ﷺ کے ایک آخورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ من دانی فقد اری الحق (رواہ احمد ایشخان عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ) حد منع پر نہ رہا۔" ۲۴؎

مولانا نقی علی خاں کا حج وزیارت کے سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً تین ماہ قیام رہا حج میں آپ کے معلم احمد سیونی بن محمد سیونی مکی تھے۔

فتویٰ نویسی :۔ تیرہوں صدی ہجری میں امام الاتقیا کے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں نے ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں سرزمین بریلی پر مسند افتاء کی بنیاد رکھی اور چونتیس سال تک فتویٰ نویسی کا کام حسن و خوبی انجام دیا۔ امام العلماء نے اپنے فرزند سعید مولانا نقی علی خاں کو خصوصی تعلیم دیکر مسند افتاء پر فائز کیا۔ مولانا نقی علی خاں نے مسند افتاء پر رونق افروز ہونے کے بعد سے ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علماو فقہاسے اپنی علمی بصیرت کا لوہا منوالیا۔ مولانا نے طویل عرصہ تک ملک وبیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جواب انتہائی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کئے۔ مولانا کے فتاوؤں کا مجموعہ تیار نہ ہو سکا اس لئے ان کی فتویٰ نویسی پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاسکتی لیکن مختلف علوم پر آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ آپ کی آراء کو علمائے عصر سند تسلیم کرتے تھے اور اپنے فتوؤں پر امام الاتقیا کی تصدیق لازمی وضروری سمجھتے تھے۔ آپ کے پاس عام طور پر فتاوے تصدیقات کے لئے آتے تھے آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے اگر جوابات صحیح ہوتے دستخط کر کے مہر ثبت کر دیتے تھے اور اگر جواب غلط ہوتے تو علیحدہ کاغذ پر جواب لکھ دیتے تھے کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے تھے اس بارے میں آپ کے شاگرد مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں :۔

"مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں اگر صحیح ہوتے ہیں مہر ثبت فرماتے ہیں اور جو خلاف کتاب ہوتے ہیں جواب علیحدہ سے لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔" ۲۵؎

درس و تدریس :۔ مولانا نقی علی خاں ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہہ تھے۔ آپ نے تصنیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی طرف بھی توجہ دی آپ کا درس مشہور تھا۔ طلباء دور دور سے آپ کے پاس علم کی پیاس بجھانے آتے تھے۔ آپ بہت ذوق و شوق کے ساتھ طلباء کو تعلیم دیتے تھے۔ مولانا نقی علی خاں قوم کی فلاح و بہبودگی کے لئے دینی تعلیم کو لازمی قرار دیتے تھے۔ آپ نے اس مقصد کے حصول کیلئے بریلی میں "مدرسہ اہل سنت" قائم کیا۔

مدرسہ اہل سنت کا قیام :۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی کے عہد تک بریلی میں مختلف علمائے کرام انفرادی طور پر دینی و مذہبی تعلیم دیتے تھے۔ جن میں مولوی ہدایت علی فاروقی بریلوی و مولوی یعقوب علی کے نام قابل ذکر ہیں۔ مولوی ہدایت علی فاروقی بریلی کے محلہ قرولان کے ساکن تھے اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ مولوی ہدایت علی نے "مدرسہ شریعت" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس میں آپ دینی تعلیم دیتے تھے۔ اکبر حسین کی کمبوہ کی بیوی نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ وہ تنہا اس مدرسہ کے مصارف برداشت کرتی تھیں۔ بریلی میں یہ سب سے پہلا دینی مدرسہ تھا ۲۶؎ مدرسہ میں شہر کہنہ کے رئیس مولوی یعقوب علی نے بھی کچھ عرصہ تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

ان مدارس کے باوجود بریلی میں ایسا کوئی مدرسہ نہیں تھا جو باقاعدہ مذہبی تعلیم دے سکتا اس لئے مولانا نقی علی خاں بریلوی نے کوٹھی رحیم داد خاں واقع محلہ گلاب نگر، بریلی میں "مدرسہ اہل سنت" کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا ۲۷؎ باوجود تلاش و جستجو کے قیام کے سن و تاریخ کا کوئی دستاویزی ثبوت حاصل نہیں ہو سکا۔ مدرسہ کے مصارف عوام کے مدد و تعاون سے پورے ہوتے تھے۔

مولوی احسن نانوتوی نے بھی بعد میں بریلی کے محلہ مداری دروازی کی ایک چھوٹی سے مسجد میں "مصباح التہذیب" نام سے ایک مدرسہ ۱۸۷۲ء میں قائم کیا ۲۸؎ "حیات اعلیٰحضرت" کے مصنف حضرت مولانا ظفر الدین بہاری نے مصباح التہذیب بریلی کا بانی مولانا نقی علی خاں کو قرار دیا ہے۔ اس تسامح کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے سبھی سوانح نگاروں نے مولانا ظفر الدین کے حوالہ سے قائم رکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصباح التہذیب، مولوی احسن نانوتوی نے ہی قائم کیا تھا اور مولانا نقی علی خاں نے "مدرسہ اہل سنت" قائم کیا تھا۔ مفتی نقی علی خاں بریلوی کے شاگرد رشید مفتی

حافظ بخش کی مندرجہ ذیل تحریر ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔ مفتی حافظ بخش آنولوی قمطراز ہیں :۔

"حالانکہ بہت سے صاحب ہر گز مصباح التہذیب میں چندہ نہیں دیتے بلکہ "مدرسہ اہل سنت" میں شریک ہیں اور عمائد شہر کہنہ کا چندہ وہاں کے مدرسہ سے متعلق ہے اور بعض صاحب محض خاطر داری اہل شوریٰ اراکین مصباح التہذیب یا بوجہ ملال و خصومت معاملات دنیوی کہ فاضل بریلوی (مولانا نقی علی خاں) اور مہتمم "مدرسہ اہل سنت" سے رکھتے ہیں اس طرف شریک ہیں۔ کچھ لوگ ابھی اس حال سے واقف نہیں کہ نانوتوی صاحب نے مدرسہ بوجہ خلاف عقیدہ "مدرسہ اہل سنت" سے علیحدہ کر لیا اور بعض حضرات سرے سے اختلاف عقیدہ فریقین کو اختلاف مسائل جزیہ کے قبیل سمجھتے ہیں اور فریقین کو ہم عقیدہ جانتے ہیں" ۲۹ ؎

مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ بالا تحریر "مدرسہ اہل سنت" اور "مدرسہ مصباح التہذیب" کے چندہ سے متعلق ہے مگر اس تحریر سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں :۔

☆ مولانا نقی علی خاں بریلوی اور مولوی احسن نانوتوی کے مابین عقیدہ کا اختلاف تھا۔

☆ مدرسہ اہل سنت مولانا نقی علی خاں نے قائم کیا تھا اور مصباح التہذیب مولوی احسن نانوتوی نے قائم کیا تھا۔

☆ مدرسہ اہل سنت مصباح التہذیب سے قبل قائم ہوا۔

☆ اب سے تقریباً سوا سو سال قبل ذرائع ابلاغ کی کمی کی وجہ سے شہر کہنہ کے عوام نئے شہر کے حالات سے جلدی باخبر نہیں ہو پاتے تھے اس لئے شہر کہنہ کے سارے مسلمان اس بات سے واقف نہیں ہو سکے تھے کہ مولانا نقی علی خاں اور مولوی احسن نانوتوی کے درمیان عقیدہ کا اختلاف تھا اسی لئے "مصباح التہذیب" میں چندہ دیتے تھے۔

☆ مدرسہ مصباح التہذیب ۱۸۷۲ء میں قائم ہوا اس لئے مدرسہ اہلسنت ۱۸۷۲ء سے قبل قائم ہوا ہوگا۔

مدرسہ اہل سنت اپنے وقت کا معروف اور معیاری دینی مدرسہ تھا۔ مصباح التہذیب مدرسہ اہل سنت کے مقابلہ کا نہ تھا اس میں ابتدائی درجات کے تھوڑی تعداد میں طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مدرسین بھی معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ اس کا ثبوت مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ ذیل تحریر ہے :

"نانوتوی صاحب فرمائیں کہ مصباح التہذیب میں شرح شمسیہ کی سند کوئی پڑھتا ہے یا

ان کے مدرسہ اعلیٰ یہ کتابیں پڑھا سکتے ہیں! وہاں صرف چند طلباء صَرف و نحو اور لڑکوں کو قرآن خوانی کے کون پڑھتا ہے، بتایئے مصباح التہذیب کے قیام سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا" ۳۰۔

مجاھد آزادی :۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی کو ملک میں انگریزی اقتدار سے سخت نفرت تھی۔ آپ نے تاحیات انگریزوں کی مخالفت کی اور انگریزی اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ وطن عزیز کو انگریزوں کے جبر و استبداد سے نجات دلانے کیلئے آپ نے زبردست قلمی و لسانی جہاد کیا۔ اس بارے میں چند اشاد حسینی لکھتے ہیں :۔

"مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں کے خلاف لسانی و قلمی جہاد میں مشہور ہو چکے تھے انگریز مولانا کی علمی وجاہت و دبدبہ سے گھبراتا تھا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ بھی انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے۔ مولانا نقی علی خاں کا ہند کے علماء میں اونچا مقام تھا، انگریزوں کے خلاف آپ کی عظیم قربانیاں ہیں۔ ۳۱۔

ملک سے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کے لئے ہند کے علماء نے ایک جہاد کمیٹی بنائی۔ انگریزوں کے خلاف عملاً جہاد کا آغاز کرنے کے لئے جہاد کمیٹی نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا۔ اس جہاد کمیٹی میں سرفہرست مولانا رضا علی خاں بریلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوری، مولانا نقی علی خاں بریلوی، مولانا احمد شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بدایونی ثم بریلوی، جنرل بخت خاں وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ۳۲۔

مولانا نقی علی خاں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے۔ آپ نے اپنی انگریز مخالف تقریر سے مسلمانوں میں جہاد کا جوش و ولولہ پیدا کیا۔ بریلی کا جہاد کامیاب ہوا۔ انگریزوں کو مسلمانوں نے شکست دیکر بریلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ۳۳۔

تلامذہ :۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی کے مندرجہ ذیل تلامذہ معروف زمانہ ہوئے :۔

(۱) اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں (۲) مولانا حسن رضا خاں حسؔن بریلوی (۳) مولوی برکات احمد (۴) مولانا ہدایت رسول لکھنوی (۵) مفتی حافظ احمد بخش آنولوی (۶) مولانا حشمت اللہ خاں (۷) مولوی سید امیر احمد بریلوی (۸) مولوی حکیم عبدالصمد صاحب۔

"حیات اعلیٰحضرت" کے مصنف علامہ ظفر الدین بہاری نے مفتی نقی علی خاں کے خلف اصغر مولوی محمد رضا خاں کو ان کے والد کے تلامذہ میں شامل کیا ہے جبکہ مولوی محمد رضا خاں اپنے والد مفتی

نقی علی خاں کے وصال کے وقت صرف چار سال کے تھے ۳۴ ۔ اس طرح مولوی محمد رضا خاں کا اپنے والد کا شاگرد ہونا قطعی ثابت نہیں ہوتا حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے برادر بزرگ اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں سے ہی تعلیم وتربیت حاصل کی۔

تصنیف و تالیف :۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی مولانا نقی علی خاں اپنے دور میں نادرِ روزگار مصنف تھے اور جمیع علوم میں بھی اپنے ہم عصر علما پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ کو متعدد علوم پر دسترس حاصل تھی۔ آپ نے اردو، عربی، فارسی کو اپنی گراں قدر تصنیفات سے مالا مال کیا۔ آپ نے متعدد علوم و فنون اور موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ خاص طور پر سیرت نبوی ﷺ، تعلیم و تعلم، علم معاشرت، علم تصوف، وغیرہ موضوعات ومسائل پر نہایت جامع اور بلند پایہ چالیس کتابیں تصنیف کیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ۲۶ / کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

آپ کی بیشتر بیش بہا تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں طبع نہ ہو سکیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے آپ کو علم وفضل کی دولت کے ساتھ ساتھ استغنا کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جس وقت نام نہاد علما اپنے علم کو جنسِ تجارت بنا کر برطانوی حکام سے نذرانے وصول کر رہے تھے۔ اور دولتمندوں سے چندہ لیکر اپنے عقائد کی ترویج واشاعت کر رہے تھے۔ اس وقت مفتی نقی علی خاں کی غیرت دینی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے خود اپنے ہم مسلک اور معتقدین روسا کے پاس جانا بھی منظور نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ آپ کی زیادہ تر تصانیف آپ کی حیات میں زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

عقد اور اولاد :۔ مولانا نقی علی خاں کی شادی مرزا اسفندیار بیگ لکھنوی کی دختر حسینی خانم کے ساتھ ہوئی تھی۔ مرزا اسفندیار بیگ کا آبائی مکان لکھنؤ میں تھا مگر آپ نے مع اہل وعیال بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی آپ مسلکاً سنی تھے۔

مولانا نقی علی خاں کی مندرجہ ذیل اولادیں یادگار تھیں :۔

(۱) احمدی بیگم زوجہ غلام دستگیر عرف محمد شیر خاں، خلف محمد عمران خاں (۲) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (۳) مولانا حسن رضا خاں (۴) حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں (۵) مولوی محمد رضا خاں (۶) محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں خلف عطاءاللہ خاں۔

(۱) احمدی بیگم امام احمد رضا خاں سے عمر میں بڑی تھیں آپ کا نکاح یکم ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو غلام دستگیر خاں عرف محمد شیر خاں خلف محمد عمران خاں سے ہوا تھا۔ جو محلہ جسولی بریلی کے رہنے والے تھے۔ احمدی بیگم کے دو فرزند مولوی علی احمد خاں اور مولوی علی محمد خاں تھے اور ایک دختر محمودی جان تھیں

جن کا عقد مولوی حشمت اللہ خاں تلمیذ مفتی نقی علی خاں سے ہوا تھا۔ مولوی حشمت اللہ خاں علی گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد بریلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ احمدی بیگم کے فرزند اکبر علی احمد خاں لاولد فوت ہوئے اور دوسرے فرزند علی محمد خاں کے صرف ایک دختر ذکیہ سلطانہ تھیں۔

(۲) مولانا نقی علی خاں کے فرزند اکبر امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی تھے۔ آپ کا نکاح شیخ فضل حسین عثمانی کی دختر ارشاد بیگم کے ہمراہ ہوا تھا۔ شیخ فضل حسین عثمانی کی زوجہ یعقوتی جان تھیں جو غلام فرید خاں کی دختر تھیں۔ غلام فرید خاں، غلام دستگیر خاں کے بیٹے تھے۔ غلام دستگیر خاں شہزادہ مکرم خاں کے بیٹے تھے اور شہزادہ مکرم خاں محمد اعظم خاں کے برادر اصغر تھے۔ امام احمد رضا خاں کے دو فرزند تھے، پہلے فرزند مولانا حامد رضا خاں جو حجۃ الاسلام کے نام سے معروف ہوئے اور دوسرے فرزند محمد مصطفیٰ رضا خاں تھے جو مفتی اعظم کے نام سے مشہور ہوئے۔

امام احمد رضا خاں کی پانچ دختران تھیں (۱) مصطفائی بیگم زوجہ حاجی شاہد علی خاں۔ دوسری دختر کنیز حسن تھیں جن کا عقد حمید اللہ خاں بن احمد اللہ خاں سے ہوا تھا جو رئیس اعظم شہر کہنہ کفایت اللہ خاں کے بیٹے تھے۔ تیسری دختر کنیز حسین کا عقد حکیم حسین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں کے ہمراہ ہوا تھا۔ کنیز حسین کا انتقال امام احمد رضا خاں کے وصال کے ۲۱ر دن بعد ہوا۔ چوتھی دختر کنیز حسنین کا عقد مولوی حسنین رضا خاں خلف مولانا حسن رضا خاں حسنؔ کے ساتھ ہوا۔ پانچویں دختر مرتضائی بیگم کا عقد مجید اللہ خاں ابن احمد اللہ خاں ابن حاجی کفایت اللہ خاں رئیس اعظم شہر کہنہ روہلی ٹولہ کے ساتھ ہوا۔

(۳) مولانا نقی علی خاں کے فرزند اوسط مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی کی شادی اصغری بیگم دختر حلیم اللہ خاں بن شاہ اعظم خاں بن معظم خاں بن سعادت یار خاں بن شجاعت جنگ سعید اللہ خاں کے ہمراہ ہوئی۔ آپ کے تین فرزند مولانا حکیم حسین رضا خاں و مولانا حسنین رضا خاں اور مولانا فاروق رضا خاں پیدا ہوئے۔ فاروق رضا خاں لاولد فوت ہوئے۔ حکیم حسین رضا خاں نے ۲ شادیاں کیں پہلی شادی امام احمد رضا خاں کی دختر کنیز حسین اور دوسری شادی مولانا حامد رضا خاں کی دختر ام کلثوم سے ہوئی۔

(۴) حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں کے دو فرزند اور تین دختران تھیں فرزند اکبر واجد علی خاں تھے اور دوسرے فرزند شاہد علی خاں تھے۔

(۵) مولانا نقی علی خاں کے فرزند اصغر مولانا محمد رضا خان عرف ننھے میاں تھے۔ ابھی آپ صرف چار سال کے ہی تھے کہ والد ماجد مولانا نقی علی خاں کا وصال ہوگیا۔ آپ کی پرورش اور تعلیم و

تربیت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے کی۔ مولانا محمد رضا خاں کی ایک دختر فاطمہ بیگم تھیں جن کا عقد مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں سے ہوا تھا۔ مولوی محمد رضا خاں کی شادی سکینہ بیگم دختر غلام علی خاں ساکن خواجہ قطب بریلی سے ہوئی تھی۔ آپ کا وصال ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ہوا تھا اور اپنے آبائی قبرستان میں جانب شرق لب سڑک دفن کئے گئے جس پر مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں نے مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔

(۶) مولانا نقی علی خاں کی سب سے چھوٹی دختر محمدی بیگم کا عقد کفایت اللہ خاں خلف عطاءاللہ خاں سے ہوا تھا۔

شہید محبت کا سفر آخرت :۔ امام الاتقیاء مفتی نقی علی خاں کا خونی اسہال کے عارضہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۷ء کو وصال ہوا اور اپنے والد ماجد امام العلماء مولوی رضا علی خاں کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی آپ کے آخری لمحات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :۔

"سلخ ذیقعدہ پنج شنبہ وقت ظہر ۱۲۹۷ھ قدسیہ کو اکیاون برس پانچ ماہ کی عمر میں بعارضہ اسہال دموی شہادت پاکر شب جمعہ اپنے والد ماجد قدس سرہ کے کنارے میں جگہ پائی۔ اَنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

روزِ وصال نماز صبح پڑھ لی تھی اور ہنوز وقتِ سحر باقی تھا کہ انتقال فرمایا۔ نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کیے متواتر سلام فرماتے تھے۔ جب چند انفاس باقی رہے ہاتھوں کو اعضائے وضو پر یوں پھیرا گویا وضو فرمارہے ہیں۔ یہاں تک کہ استنشاق بھی فرمایا۔ سبحان اللہ اپنے طور پر حالت بےہوشی میں نماز ظہر بھی ادا فرماگئے۔ جس وقت روح پر فتوح جدا فرمائی فقیر سرہانہ حاضر تھا۔ واللہ العظیم ایک نور ملیح اعلانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اٹھکر برق تابندہ کی طرح چمکا اور جس طرح لمعانِ خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے یہ حالت ہو کر غائب ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی"۔

اشاریات :

۱۔ اخبار الصنادید — مولوی نجم الغنی خاں رامپوری
۲۔ تذکرۂ جمیل — مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی
۳۔ تذکرہ آنند رام مخلص
۴۔ تذکرۂ جمیل — مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی

۵۔ سیرت اعلیٰ حضرت	علامہ حسنین رضا خان
۶۔ فیصلہ مقدمہ ۵۵ / ۱۸۵۴	بہ اجلاس مولوی صدر الدین خاں آرزدہ منفصلہ ۱۴ر دسمبر ۱۸۴۵ء دیوانی کچہری دہلی
۷۔ تذکرۂ جمیل	مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی
۸۔ مقدمہ تفریق کلکٹری ضلع بدایوں	بہ اجلاس سر جارج لارنس منفصلہ ۲۰ر جولائی ۱۸۶۲ء
۹۔ سیرت اعلیحضرت	علامہ حسنین رضا خان
۱۰۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا
۱۱۔ حیات اعلیٰ حضرت	علامہ ظفر الدین بہاری
۱۲۔ بیعنامہ	
۱۳۔ تذکرہ علمائے ہند	مولانا رحمٰن علی
۱۴۔ تذکرہ علمائے اہل سنت	مولانا محمود احمد قادری
۱۵۔ الاجازت المتینہ	امام احمد رضا
۱۶۔ حیات مفتی اعظم	مرزا عبدالوحید بیگ
۱۷، ۱۸۔ الملفوظ (حصہ اوّل)	مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں
۱۹۔ حیات مفتی اعظم	مرزا عبدالوحید بیگ
۲۰۔ بیاض قلمی امام احمد رضا	مخزونہ سید شاہ یحییٰ حسن مارہروی
۲۱، ۲۲، ۲۳۔ الاجازت المتینہ	امام احمد رضا
۲۴۔ جواہر البیان فی اسرار الارکان	مولانا نقی علی خاں (تقدیم از امام احمد رضا)
۲۵، ۲۶۔ تنبیہ الجہال	مفتی حافظ بخش آنولوی
۲۷، ۲۸۔ سوانح احسن نانوتوی	پروفیسر ایوب قادری
۲۹، ۳۰۔ تنبیہ الجہال	مفتی حافظ بخش آنولوی
۳۱۔ شمس التواریخ	چندہ شاہ حسینی
۳۲۔ مشعل راہ	عبدالحکیم اشرف
۳۳۔ حیات مفتی اعظم ہند	مرزا عبدالوحید بیگ
۳۴۔ مقدمہ ۱۸۸۴/۲۱۱	مصنف شمیم بریلی
۳۵۔ جواہر البیان فی اسرار الارکان	مولانا نقی علی خاں (تقدیم از امام احمد رضا)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا بحیثیت دانشور

از :- مولانا غیاث الدین احمد مصباحی نظامی۔ نیپال

علی گڑھ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر، مشہور ماہر تعلیم، سر سید احمد خاں کی فکر کے حامی جناب ڈاکٹر سید حامد صاحب نے ماہنامہ "تہذیب الاخلاق" علی گڑھ میں دانشور کی تعریف یوں کی ہے :

"وہی لوگ دانشور ہیں جنھوں نے زندگی کی گتھیوں کو حل کرنے کی لگا تار کوشش کی ہے، جنھوں نے عالم کے بدلتے ہوئے حالات سے خود کو باخبر رکھا ہے، جن کے مطالعے کو ان کے مشاہدہ اور تجربہ سے غذا ملی ہے۔ جن کا علم نرا کتابی علم نہیں، جن کے علم نے انھیں رائے قائم کرنے، حکم لگانے اور فیصلہ کرنے کا شعور دیا ہے، جن کا علم وسیع ہے اور ملک کی ایک سے زائد زبانوں پر دسترس حاصل ہے، جو مسائل پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی عادت ڈال چکے ہیں۔"......۱

آپ دانشور کی اس تعریف کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان اس تعریف پر مکمل اترتے ہیں یا نہیں ؟ اگر آپ منصفانہ دل سے فیصلہ کریں گے تو یقیناً ان کی حیات طیبہ پر یہ تعریف کامل واکمل طور پر صادق آئے گی۔ مطالعہ کرنے والوں کی نگاہ سے یہ بات مخفی نہیں کہ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کو وقت کے تمام باطل فرقوں سے مکمل آگاہی تھی اور تقریباً ۵۵ علوم وفنون پر مہارتِ تامہ حاصل تھی بلکہ حضرت علامہ عبدالستار حبیب ہمدانی دام ظلہ العالی نے الجامعۃ الاشرفیہ کی عزیز المساجد میں ار شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ کو اپنی تقریر کے دوران ارشاد فرمایا کہ حضرت امام الکلام اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کو ۱۱۴ر علوم پر دسترس حاصل تھی اور اس کو میں دلیل سے ثابت بھی کروں گا، نیز آپ کوئی بات بغیر تحقیق وتدقیق کے ارشاد نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حکیم محمد سعید دہلوی بانی ہمدرد فاؤنڈیشن رقمطراز ہیں۔

"میرے نزدیک ان کے فتاویٰ کی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بلکہ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب ومعیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں قدیم فقہا میں نظر آتی ہیں (اور چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں) فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہونچنے کیلئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس

حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کیلئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔".......۲ے

اور پھر سید حامد صاحب دانشور کی تعریف چند سطروں کے بعد ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

"اور جن میں اس بات کی جرأت ہے کہ وہ سچائی سے خواہ وہ کتنی ہی تلخ ہو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کربات کرسکیں اور اسے برملا بغیر آنکھ چھپکائے بیان کرسکیں، دانشور تلاشِ حق اور اعلانِ حق میں کسی مصلحت یا کسی رو رعایت کو داخل نہیں ہونے دیتا اسکا ذہن سرجن کے نشتر کی طرح ہوتا ہے، جس کی دھار میں بلا کی کاٹ ہوتی ہے۔"۳ے

آپ اس تعریف کی تصدیق و توثیق حضرت علامہ و مولانا محمد احمد مصباحی پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے اس قول سے کریں، آپ فرماتے ہیں۔

"امام احمد رضا نے علمی تحقیقات اور فنی تدقیقات کے جو انمول موتی اپنی تصانیف میں جلوہ آراء فرمائے ہیں ان کا اعتراف غیروں کو بھی ہے، اسی طرح دین حنیف اور فقہ حنفی کی جو لازوال خدمات موصوف قدس سرہ العزیز نے انجام دیں ان کے اعتراف پر سبھی مجبور ہیں، لیکن ان تمام مناقب و فضائل کے خزانے میں ایک عیب بھی ہے، زبردست عیب وہی عیب جیسے شیخ سعدی نے فرمایا :

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است ...... ان کا عیب یہی ہے کہ وہ بامسلمان اللہ اللہ بابرہمن رام رام والے مذہب صلح کل کے قائل نہ تھے ان کے یہاں دوستی اور دشمنی کا ایک پختہ نظریہ موجود ہے".......۴ے

ان کی حق گوئی اور جرأت کی مثال انھیں سے پوچھ سکتے ہیں، فرماتے ہیں۔

(۱) دشمن احمد پہ شدت کیجئے ...... ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

(۲) شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب ...... اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

اور یقیناً آپ کے ذہن و قلم کی دھار سرجن کے نشتر سے کہیں زیادہ تیز ہے۔ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

اسی لیے تو آپ نے اپنے عقیدت مندوں اور اسلام کے چاہنے والوں کو ایک ایسی وصیت فرمائی جو ان کی حق گوئی اور محبت دین کی دلیل کیلئے کافی ووافی ہے۔ فرماتے ہیں :

"جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ کیسا ہی بزرگ کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو"......۵ے

اسی کو ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

"احمد رضا کے پیش نظر شریعت مصطفوی تھی دوست یا دشمن جس نے بھی شریعت کے خلاف قدم اٹھایا اس نے سخت گرفت کی اور پوری قوت سے اس کی مزاحمت کی، اس کے سامنے شخصیات نہیں بلکہ شریعت تھی، اس نے شریعت کو پیمانہ بنایا یہی اس کی فکر کا امتیاز خاص تھا۔"......۶ے

اور ہر کسی کو برملا اس بات کا اعتراف ہے کہ ۱۸۵۶ء سے لے کر اب تک جس قدر فتنوں کے شعلے برسائے گئے اور گستاخیوں کے تیر چلائے گئے ہیں۔ یا وہ گمراہیاں جو اس سے قبل ابن عبدالوہاب نجدی نے ملک عرب میں پھیلائی تھیں، اگر امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ان کا سدباب اور بروقت ان کا محاصرہ و محاسبہ نہ کیا ہوتا، ابطالِ باطل اور احقاقِ حق میں ذرہ برابر بھی کوتاہی ہوتی تو شاید آج صرف مسلمانوں کا نام رہ جاتا اور عشق رسول مسلمانوں کے قلوب واذہان سے کب کا سلب ہو چکا ہوتا، لیکن امام الوقت مجدد دین وملت معجزة من معجزات النبی الکریم نے اپنے قلم بیباک کو تاحیات دشمنانِ خدا اور رسول کے خلاف چلایا، اور یہ ثابت کر دیا کہ۔

کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اور آگے آیئے۔ سید حامد صاحب دانشور کی تعریف میں مزید فرماتے ہیں۔

"دانش ور کبھی سطح بین نہیں ہوتا اور نہ وہ سرعت ذہن پر ناز کرتا ہے (دو سطر کے بعد فرماتے ہیں) "دانش ور اصلاً موحد ہوتا ہے اس کا واحد مقصد سچائی ڈھونڈ نکالنا ہے، وحدتِ مقصد پر وہ کسی مفاد کسی مصلحت کو اثر انداز نہیں ہونے دیتا"......۷ے

چنانچہ اسی کی توثیق علامہ اقبال اپنے اس قول سے کرتے ہیں۔

"مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں، اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں' انھیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔"......۸ے

آپ کو معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا مجدد دین علیہ الرحمہ نے کبھی بھی اپنی جولانیٔ طبع اور اعلیٰ ذکاوت

وفراست پر ناز نہیں کیا۔ نہ آپ نے کبھی کوئی بات بغیر تحقیق کے ارشاد فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک آپ کی کتابوں یا فتاویٰ میں غیر بھی کوئی نقص وخرابی نکالنے سے عاجز وقاصر رہے، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو علم کی وہ سوجھ بوجھ عطا فرمائی تھی کہ دور قدیم میں اس کی مثال خال خال اور حاضر میں ناپید نظر آتی ہے۔ (الاماشاء اللہ)

چنانچہ اس کا اعتراف مولانا کوثر نیازی جن کے بقول ان کی ذاتی لائبریری میں دس ۱۰ ہزار کتابیں ہیں اور ان سب کا مطالعہ انھوں نے کیا ہے، لکھتے ہیں۔

"مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں نے علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کر لیا ہے، علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کرلی ہے، مگر جب امام اہلسنت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے دروازے پر دستک دی اور فیض یاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا۔ یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا تھا علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔ ۹

اور امام کی ذات ستودہ صفات میں ناز ونخرے کے آثار پائے جاتے ہیں یا نہیں خود انھیں سے پوچھ لیں، فرماتے ہیں:

محصور جہاں دانی وعالی میں ہے　　　کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے......۱۰

ہو سکتا ہے ہی کسی کم نظر کو یہ وہم گذرتا کہ اعلیٰحضرت نے اس شعر میں اپنے کو بے مثال کہا ہے یہ ناز ونخرہ نہیں، کبر ونخوت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی لیے امام الکلام نے فوراً ہی اس بے مثالی کی وضاحت دوسرے شعر میں یوں کی۔

ہر شخص کو اک وصف میں ہوتا ہے کمال......بندے کو کمال بے کمالی میں ہے
کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں......شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو......ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں ۱۰

ذرا غور کیجئے، امام کا کیا مقام ہے کہ آج پوری دنیا بھر میں ان کے علم کا چرچا ہی چرچا ہے۔ جماعتِ اہلسنت تو ان کے احسان کا گن گاتے ہی نہیں تھکتی۔ ان کی قدر ومنزلت سب کے قلوب واذہان پر اپنا انمٹ نشان ثبت کر چکی ہے، اس کے باوجود یہ منکسر المزاجی، واللہ یہ ایک باکمال ولی، ایک عاشقِ نبی اور ایک مجدد دین ہی کی شان ہو سکتی ہے۔

جناب سید حامد صاحب دانشور کی تعریف آخری سطور میں یوں فرماتے ہیں۔

"دانشور کیلئے ایک شے اور درکار ہے جس کے بغیر کوئی فکر پیشہ انسان دانشور نہیں بن سکتا یہ شے دیانت ہے۔......۱۱"

جنھوں نے امام کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ موصوف علیہ الرحمہ نے دینِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیانت ہی سے کام لیا اور بددیانتوں پر ہمیشہ سیف قاتل بنے رہے۔ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں :

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ......بے جا سے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی......یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ ۱۲

اور اشرفعلی ملعون کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں۔

"الحمد للہ اس فقیر بارگاہِ رب قدیر کے دل میں کسی شخص سے نہ ذاتی مخالفت، نہ دنیوی خصومت، مجھے میرے سرکار ابد قرار حضور پر نور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے کرم سے اس خدمت پر مامور فرمایا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ایسوں کے حال سے خبردار رکھوں جو مسلمان کہلا کر اللہ واحد قہار جل جلالہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماذون و مختار کی شانِ اقدس پر حملہ کریں۔" ۱۳

الغرض امامِ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ اس سے کہیں اعلیٰ و بالا اور افضل و اعلیٰ ہیں آپ کے اندر ہر وہ خوبیاں موجود ہیں جن کی ایک مجدد، مفکر اور دانشور کو ضرورت ہے۔ وہ اپنوں کیلئے شبنم کی پھوار غیروں کیلئے سیفِ ذوالفقار ہیں۔ ان کا محققانہ، مفکرانہ اور دانشورانہ قلم جب برق بار بن کر دشمنانِ اسلام پر چمکتا ہے تو ان کی آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں۔ انھیں کچھ سوجھتا نہیں تو کیا کریں برائی بھی کرتے ہیں تو تعریف ہو جاتی ہے۔ ہاں آج میں کہے دیتا ہوں تم احمد رضا پر لاکھ دھول ڈالو وہ مٹنے اور چھپنے کا نہیں، چھپے اور مٹے کیوں اُسے تو رب کے حبیب نے چمکایا ہے وہ چمکتا رہے گا۔

حوالا جات :

(۱)، (۳)، (۷)، (۱۱) ماہنامہ تہذیب الاخلاق (علی گڑھ) مئی ۱۹۹۶ء از سید حامد
(۲) معارف رضا
(۴) امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات صفحہ ۵۶/۵۵ مولانا یٰسین اختر مصباحی
(۵) وصایا شریف (۶) اُجالا صفحہ ۷ از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(۸) مقالات یوم رضا حصہ سوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء
(۹) امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت صفحہ ۳۰ مولانا کوثر نیازی
(۱۰) و (۱۲) حدائق بخشش (۱۳) مکتوب بنام اشرفعلی صفحہ ۳

از قلم : محمد سراج الدین شریفی، مغلپورہ، سہسرام۔ بہار

"شرحِ سلامِ رضا" ۔۔۔ ایک جائزہ

شارح : مفتی محمد خان قادری

ناشر : مکتبۂ نظامی، بھیونڈی، انڈیا۔ مطبوعہ ۱۹۹۴، صفحات ۵۶۵

سب سے پہلے ہم سلام رضا کے دینی، ادبی اور اعتقادی مقام و مرتبہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ علماء و فضلائے وقت نے اسکی نسبت کیا تاثرات پیش کیے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ انہوں نے امامِ شعر و ادب کی بارگاہ میں اپنے حسنِ عقیدت کو کس انداز میں پیش کرنیکی سعادت حاصل کی ہے۔

پاکستان کے سابق وزیر، شاعر و ادیب، عالم و فاضل اور مشہور علمی شخصیت جس کے بارے میں کچھ لوگوں کی خوش خیالی ہیکہ انہوں نے آخری وقت میں اپنی مذہبی گمراہیوں سے توبہ کرلی تھی۔ لیکن فی الحقیقت اس رائے کی حمایت میں کوئی تحریری ثبوت یا کوئی معتبر قول نہیں ملتا ہے۔ یہاں میری مراد...... مولانا کوثر نیازی ہیں۔ چوں کہ انکا تبصرہ اپنے عنوان پر بہت جامع اور بہترین عکاسِ حقیقت ہے لہٰذا ہم انہی کے تبصرے سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ جناب کوثر نیازی صاحب اس طرح رطب اللسان ہیں "اگر میں یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا قصیدہ بردہ شریف ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ جو زبان و بیان، جو سوز و گداز، جو معارف و حقائق، قرآن و حدیث اور سیرت کے جواہر اور رموز، اندازِ اسلوب میں جو قدرت و ندرت اس سلام میں ہے وہ کسی زبان کی شاعری کے کسی شہ پارے میں نہیں۔ مجھے افسوس ہیکہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں"۔ (حوالہ "امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت")

اور کچھ ایسے ہی تاثرات مولانا سید مرغوب اختر الحامدی صاحب کے بھی ہیں جنھوں نے مشہور تضمین "بر سلام رضا" لکھی ہے۔ جناب سید صاحب رقمطراز ہیں۔

"روز مرہ کے محاورات کے ساتھ اعلیٰحضرت کا پورا کلام سلاستِ زبان و بیان کا بہترین مرقع ہے۔ آپ کا مشہور زمانہ سلام جس کے ایک سو بہتر اشعار ہیں اس کا ہر شعر موتیوں میں تولنے کے قابل ہے نیز سلاست، روانی اور زورِ بیان میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس سلام کے ایک ایک شعر میں محبوبِ مدینہ ﷺ کی اُدائیں الفاظ کے موتیوں سے ایسی جڑی ہیں جسے دیکھکر ثریا بھی خجل ہو جائے۔ سرکارِ مدینہ کا سراپا اور عہدِ طفولیت سے لیکر عہد نبوی تک کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے جس کی داد دینے کیلئے الفاظ نہیں ملتے۔ حضور ﷺ کی پوری سیرت سامنے آجاتی ہے۔" (حوالہ "امام نعت گویاں" از شرح سلام رضا)

اور پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری اس باب میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے اس طرح گوہر افشانی کرتے ہیں۔...... "علم و دانش، مطالعہ و مشاہدہ جتنا وسیع ہوتا جاتا ہے دائرۂ فکر اتنا ہی پھیلتا جاتا ہے۔ ایک ہی پھول میں ہر آنکھ مختلف بہاریں دیکھتی ہے اور ایک ہی ذرّے میں مختلف جمال۔ اس شرح سے ایک طرف امام احمد رضا کے وسعتِ علم و فضل کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف حضرتِ شارح کی علم و دانش کا۔ وہ ایک ممتاز عالم دین، بیمثال معلم اور ممتاز مفتی ہیں۔ دین و مسلک کیلئے انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ امام احمد رضا نے سمندر کو کوزے میں سمویا اور حضرتِ شارح نے اس سمندر کو کوزے سے نکالا۔ امام احمد رضا نے آبدار موتیوں کو ڈبیوں میں بند کیا اور حضرتِ شارح نے ڈبیوں سے ایک ایک موتی کو باہر نکال کر ہمارے سامنے رکھا اور نگاہوں کو خیرہ کر دیا"۔　　　(تبصرہ بر "شرح سلام رضا")

اس سے پہلے کہ مذکورہ کتاب کی علمی حیثیت و اہمیت اور افادیت کا جائزہ لیں آپ ایک اور تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔ استاذ العلماء علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب اپنی تقدیم میں حضرتِ شارح "سلام رضا" مفتی محمد خان قادری کا تعارف اس انداز میں کراتے ہیں۔

"مفتی محمد خان قادری پڑھنے لکھنے کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ ان کی تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر اربابِ علم و دانش سے خراجِ عقیدت حاصل کر چکی ہیں۔ (یہاں استاذ العلماء قارئین کو آداب و ترتیب سلام کا طریقہ و سلیقہ بھی سکھاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ حقِ سلام کیا ہے) وہ اس طرح گوہر باری کرتے ہیں "محبوبِ رب العالمین کی بارگاہ میں ہدیۂ صلاۃ و سلام پیش کرتے وقت چند امور پیش نظر رہنے چاہیے۔ انتہائی خلوص و محبت اور ادب و احترام کے ساتھ باوضو سلام عرض کیا جائے۔ سلام عرض کرتے وقت آواز حدِ اعتدال سے زیادہ بلند نہ ہو...... اشعار کی ترتیب ملحوظ رکھی جائے۔ پہلے بارگاہِ رسالت میں سلام عرض کیا جائے پھر اہلبیت، صحابۂ کرام اور پھر اولیاء عظام کی بارگاہ میں عرض کیا جائے۔"

اور اب خود شارح سلام رضا کے قلم کے حوالے سے دیکھیں کہ انکے حالات و واقعات کیسے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "صورت و سیرتِ نبوی پڑھنا، اس موضوع پر متعلقہ کتب و مسودات کا حصول میری زندگی کا سب سے اہم مشغلہ بن گیا۔"　　　(حوالہ پیش لفظ، شاہکارِ ربوبیت از "شرح سلام رضا")

اس ضمن میں حضرتِ شارح کے شیخ طریقت کا عشقِ رسول اور محبت رضا بھی قابل ذکر ہے۔ حضرتِ شارح موصوف رقمطراز ہیں، ۱۹۸۲ء کی بات ہے مدینہ طیبہ کی حاضری سے قبل کراچی میں ہم اپنے شیخ طریقت، قطبِ وقت سیدنا طاہر علاء الدین قادری قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور ہم دربار رسالت میں کس طرح سلام عرض کریں۔ آپ نے فرمایا "وہ لوگ گرچہ پسند نہیں کرتے مگر تم پڑھو 'مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام۔'"　　　(حوالہ "شرح سلام رضا")

عشق و عرفانِ رضا سے سرشار اپنے قلم سے فاضل شارح موصوف نے فنافی الرسول اعلیٰحضرت

امام اہلسنت کی حقیقی اور روحانی ترجمانی کا حق جس خوبی و نفاست سے ادا کیا ہے وہ حد درجہ قابلِ ستائش ہے جیسا کہ قارئین کرام مذکورہ تاثرات سے یہ معلوم کر چکے ہیں کہ یہ شرح اپنے اندر موجود بیش بہا مواد و معنویت اور دوسری بے پناہ خوبیوں کی بدولت سیرتِ رسول اعظم ﷺ کے اکثر گوشے کو واضح و روشن کرتی ہے اس طرح یہ شرح سیرتِ نبوی پر ایک معتبر کتاب کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ اپنی مبارک کاوشوں کے تحت حضرتِ شارح نے جس عرق ریزی سے کام لیا ہے اور امام احمد رضا کی روحانی ترجمانی کے ضمن میں قرآن واحادیث کے ذخائر جمع کئے ہیں اور سیر و تفاسیر کے دفاتر سجائے ہیں نیز علمائے سلف کے دلائل واقوال نقل فرمائے ہیں، وہ دیدنی ہیں۔

حدائق بخشش جس کا ایک حصہ سلامِ رضا ہے اس کی تحقیق، ترتیب، تخریج اور تشریح کے سلسلے میں ابتدائی کام تو حضرت صدر الشریعہ اور ان کے رفقاء نے کیا ہے مگر ان کے بعد علامہ شمس بریلوی نے قابل قدر بلکہ قابلِ تقلید خدمات انجام دی ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت علامہ کی اس کوشش میں کسی مقام پر خطا بھی ہو گئی ہو مگر اس بنیاد پر ان کی نیک نیتی پر کسی بھی قسم کی بدگمانی انتہائی مذموم حرکت ہے اور جہاں تک تعدادِ اشعار سلام رضا پر اختلاف کا سوال ہے تو اس سلسلے میں بھی "شرحِ سلام رضا" میں بحث اور وضاحت موجود ہے۔ مگر بہت افسوس ہے کہ پروفیسر کعبی نے اپنی کتاب "سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ" میں شعر "مرا احمد رسہ کہ برد" کے تحت تمام علمائے اسلام کا مذاق اڑایا ہے بالخصوص علامہ شمس بریلوی اور بشیر حسین ناظم کو "سلامِ رضا" کے سلسلے میں ترمیم و تحریف کا مرتکب قرار دیا ہے اور ظلم پر ظلم یہ کہ اس سازش میں ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری اور حفیظ تائب کو برابر کا شریک قرار دیا ہے۔ اور اپنی بے جا تنقید کے تحت مفتی محمد خان قادری کی چھوٹی خطا کو بھی رائی کا پربت قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ کتابت اور کمپوزنگ کی غلطیوں کو بھی شارحین کے سر منڈھ کر اس پر تنقید کرنے لگتے ہیں۔

مفتی مطیع الرحمٰن رضوی نے اپنی کتاب "پروفیسر کعبی کی سلامِ رضا، تضمین و تفہیم اور تجزیہ کا تنقیدی جائزہ" میں کعبی صاحب کی بے جا تنقیدات اور ان کی قلمی بے راہ روی پر دلچسپ گرفت کی ہے باوجود اسکے مفتی صاحب بھی اقبال احمد فاروقی، مدیر جہانِ رضا لاہور کی طرح خود بھی پروفیسر کعبی کے بھاری بھر کم حوالاجات سے مرعوب نظر آتے ہیں۔ نتیجتاً وہ مذکورہ مظلومین کا پورے طور پر دفاع کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ مفتی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں، پروفیسر صاحب کتابت کی غلطی کو بھی متعلقہ شارح کی غلطی تصور کر کے لٹھ بازی کرتے نظر آتے ہیں۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب بھی لائق مطالعہ ہے اسے ادارہ افکار حق بہار نے شائع کیا ہے۔ پروفیسر کعبی صاحب اپنی تنقید کے تحت بے جا تنقید کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ کسی کے نقش پر تنقیص کا پہلو نکالنا جتنا آسان ہے اس کے مقابلے نقاش بننا کتنا مشکل ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کعبی صاحب کی کتاب کے تقریظ نگار بھی مذکورہ لٹھ بازی کو وسعت دیتے نظر آتے ہیں۔

مکتب سے مطب

از: متین کاشمیری، پاکستان

(متین کاشمیری (محمد متین اقبال ولد محمد جمیل کاشمیری) کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ خاندان کا سلسلہ بیعت 'سلسلہ عالیہ چشتیہ سے وابستہ ہے۔ دار العلوم شمس العلوم کوٹ ادو سے ایف اے کیا اور مقامی اساتذہ سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں لاہور آئے تو ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۹ء تک حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں آنا جانا شروع کیا اور ان کے زیر تربیت رہے اور انہی کی زیر تربیت بعض کتابیں مرتب اور شائع کیں۔ آپ کا زیر نظر مضمون حکیم صاحب کی مجالس کی یادداشتیں ہیں۔ پتا: گورنمنٹ اسلم پرائمری سکول' عطا روڈ' شالامار باغ' لاہور)

لاہور کے ایک مشہور ادیب حکیم احمد شجاع نے "لاہور کا چیلسی" اندرون بھاٹی گیٹ کے زیر عنوان ایک جاندار مقالہ تحریر کیا تھا۔ اسی طرح مورخ لاہور میاں محمد دین کلیم قادری مرحوم نے بھی "لاہور کا دوسرا چیلسی" (مطب حکیم محمد موسیٰ امرتسری) کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جو تاہنوز طبع نہ ہو سکا، اسی مقالے کو مد نظر رکھتے ہوئی راقم الحروف نے بھی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی صحبت کے اثر سے اپنے چند مشاہدات اور تاثرات قلمبند کیے ہیں جو میرے زمانۂ طالب علمی سے لے کر حیثیت مبتدی یا طفل مکتب کی حیثیت سے مطب حکیم صاحب تک تلاشِ حق یا منزلِ مقصود پانے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ راقم السطور کی طبیعت اور مزاج کچھ اس قسم کا ہے جسے جبلت یا فکری رجحان بھی کہا جا سکتا ہے کہ مجھے منزل مقصود پانے کی آرزو، تمنا اور جستجو نہ تھی لیکن حکیم صاحب موصوف سے ملنے کے بعد امید کی راہ اور روشنی کی کرن نظر آئی تو میں سلسلہ لامتناہی کے پیش نظر آپ کے خادم خاص کی حیثیت سے قریب تر ہو گیا اور آپ کی معیت میں ایسے دینی، علمی، روحانی سفر کا آغاز کیا جسے ایک مسافر منزل مقصود پانے کے لئے، ایک طالب طلبِ علم کے لیے، ایک سالک مراحلِ سلوک طے کرنے کیلئے اور ایک منتہی روحانیت کی معراج حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس میں راقم کے علاوہ کتنے ہی متلاشیانِ حق شریک سفر تھے کہ "میر کارواں راہی ملک بقا ہو گئے۔"

اب قحط الرجال ہے۔ ایسی ہستی کہاں ملے گی چراغ رخ زیبا لے کر بھی ڈھونڈیں تو ان کا ملنا محال ہے جو ہماری دستگیری و راہنمائی کرے اور کون ہے جو ہم جیسے نااہلوں پر نظر کرم اور توجہ خاص فرمائے لیکن جتنا ان سے مستفید و مستفیض ہوا' اس کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ

تیرے فیض نے ایسی بخشی ضیا ‏ ‏ ‏ کہ جس سے میری فکر ہے تابدار

غالباً یہ ۸۱۔۱۹۸۰ء کا ذکر ہے کہ راقم السطور کا قیامِ لاہور کے دوران مخدوم الاولیاء سیدنا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کی درگاہ پر ہر جمعرات حاضری کا معمول تھا۔ ایک مرتبہ بعد از نمازِ عصر مواعظ و تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ تلاوتِ کلام مجید اور نعتِ سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کے بعد گورنمنٹ کالج کے نوجوان طالب علم محمد ارشد رانا کو دعوتِ تقریر دی گئی جنہوں نے اپنے جوش، پُر درد اور پُر اثر انداز میں خطاب فرمایا۔ اس نوجوان کا تعلق طلبہ کی ایک ملک گیر نمائندہ تنظیم انجمن طلبہ اسلام سے تھا جو نوجوانوں کے قلوب میں عشق مصطفےٰ علیہ التحیہ والثناء کی شمع جلائے ہوئے ہے اور اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا بریلوی کی روایات کو زندہ کیے ہوئے ہے۔ یہی ان کی تقریر کا لب لباب تھا۔ بعد از نمازِ مغرب طلبہ کی کثیر تعداد اس نوجوان کے ارد گرد جمع ہو گئی جو مختلف دینی و علمی اور تنظیمی امور کے سوالات کر رہے تھے۔ راقم نے بھی ان سے دریافت کیا کہ یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کون بزرگ ہیں؟ کیونکہ میں لاہور میں نووارد تھا۔ میرے لیے یہ ایک نیا نام تھا اور میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ نوجوان نے تاجدار بریلی کے بارے میں چند معلوماتی باتیں کیں جن سے راقم بہت متاثر ہوا اور مزید کچھ جاننے کے لیے کتب و رسائل کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کہاں سے فراہم ہو سکتے ہیں؟ اس پر نوجوان کے دوسرے طالب علم ساتھی عبدالرؤف صاحب نے فوراً کہا کہ اعلیٰ حضرت پر لٹریچر کے سلسلے میں آپ کو ایک ایسی شخصیت سے ملواتے ہیں جو اندرون و بیرون ملک علمی، ادبی، تحقیقی دنیا میں اعلیٰ حضرت کو متعارف کرانے میں ایک مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔

اگلے دن ہم دونوں اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ۵۵۔ ریلوے روڈ ایک مطب پر پہنچے جہاں ایک پچاس سالہ بزرگ اور درویش اپنی نشست پر جلوہ فرما تھے جن سے ہم نے سلام و مصافحہ کیا تو انہوں نے ہمیں ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔

وہ مسیحائے صادق مریضوں کی تشخیص فرما رہے تھے۔ میرے ساتھی نے مجھے بتایا کہ یہ حکیم محمد موسیٰ صاحب ہیں جنہوں نے حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو متعارف کرانے کیلئے مرکزی مجلس رضا قائم کی ہے۔ اس اثناء میں مریضوں سے فراغت کے بعد حکیم صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے تو میرے ساتھی نے حضرت سے عرض کی اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ انجمن طلبہ اسلام کے نئے رضاکار ہیں، یہ ہمارے طالب علم ساتھی ہیں، ان کا تعلق کوٹ ادو سے ہے۔ اگر آپ انہیں مجلس رضا کی کتب مطالعہ کیلئے عنایت فرمائیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ حکیم صاحب نے تبسم فرمایا اور ڈھیر ساری کتابوں کا سیٹ عنایت فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ آئندہ بھی آتے جاتے رہنا اور نئی کتب چھپنے والی لے جانا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ کتابیں دینے کے لیے شاید ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ اتنی ساری کتابیں، جن میں علم جفر، زمین ساکن ہے، تمہید ایمان، محاسنِ کنزالایمان، فضائل درود سلام، سات ستارے شامل تھیں' دیکھ کر میں نیم پاگل ہو گیا کیونکہ آج کل کتاب خریدنا بہت مشکل کام ہے جبکہ یہ درویش کتابوں کا خزانہ لٹا رہے ہیں۔ یہ وہ چند لمحات تھے جہاں سے مجھے حد درجہ فرحت وانبساط محسوس ہوئی اور مجھے علم وادب سے شغف کی پہلی گھٹی ملی۔

یہ وہ دور تھا جب مرکزی مجلس رضا پورے عروج و شباب پر تھی۔ دھڑا دھڑ مسلکِ رضویت پر کتابیں شائع ہو کر اندرون وبیرون ملک بلا قیمت بھیجی جا رہی تھیں اور نوری جامع مسجد ریلوے اسٹیشن میں اعلیٰ حضرت کی یاد میں عظیم الشان یوم رضا کی تقاریب ہوا کرتی تھیں جن میں علماء، مشائخ اور مفکرین کے علاوہ انجمن طلبہ اسلام کے قائدین کو بھی نمائندگی دی جاتی تھی۔ ان تمام معاملات میں حکیم صاحب کا بڑا ہاتھ تھا اور وہ بہت متحرک نظر آتے تھے کیونکہ وہ از خود گھر گھر، گلی گلی، نگر نگر، بستی بستی جا کر یوم رضا کے لیے سامعین و مقررین کو مدعو کرتے اور پروگرامز کے اشتہارات اپنے ہاتھوں سے در ودیوار پر چسپاں کرتے۔ علاوہ ازیں مجلس رضا کے تمام کام کو اپنے روزمرہ کے معمولات پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ کے دستِ راست اور قریبی ساتھی رضا پبلی کیشنز کے مالک جناب میاں زبیر احمد صاحب بھی آپ کے قدم بقدم اور شانہ بشانہ ہوتے۔

راقم نے جب حلقہ راوی روڈ میں انجمن طلبہ اسلام کا یونٹ قائم کیا تو اس کا کنوینر منتخب ہوا' میں اور میرے دوسرے ساتھی اپنے اپنے علاقوں کی مساجد کے لیے اور دیگر لائبریریوں کے لیے حکیم صاحب سے کتابیں لے جا کر تقسیم کرتے اور اعلیٰ حضرت کے نظریات کو متعارف کراتے رہے۔ حکیم موصوف کالج، یونیورسٹی اور مسجد و مدارس کے طلبا پر بڑی شفقت فرماتے اور نوجوان طلبہ سے بڑی توقعات رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے ایک تنظیمی ساتھی جناب ریاض ہمایوں سعیدی صاحب کو حکیم صاحب کی شخصیت میں ایسی جاذبیت اور کشش نظر آئی کہ وہ "فنافی الحکیم" ہو گئے۔ آج بھی ان کا شمار حکیم صاحب کے خاص معتمدوں میں ہوتا ہے۔

اسی دوران انجمن طلبہ اسلام کے ایک سرکردہ عہدیدار جناب طاہر انجم صاحب سے بھی متعارف ہوا جو تنظیم کے فعال ورکر ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم صاحب کے عقیدت مند اور محبِ صادق تھے۔ راقم کو سب سے پہلے حکیم صاحب کے دولت خانہ پر واقع شاد باغ ان ہی کے ہمراہ جانے کا اتفاق ہوا جہاں

ہم نے حکیم صاحب سے انجمن طلبہ اسلام کی علاقائی تنظیم سازی کی ہدایات حاصل کیں۔

اسی طرح انجمن طلبہ اسلام کے دیگر ساتھی بھی حکیم صاحب کی خدمت اقدس میں دست بستہ رہتے۔ ان میں بڑے بڑے اہل علم ودانش حضرات کے نام آتے ہیں جس کی فہرست سازی کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہے۔

حکیم صاحب کا مطب پچھلے وقتوں کی یاد کو تازہ کرتا ہے جس طرح حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حماد باس رحمۃ اللہ علیہ کے مطبات پر تشنگانِ علوم ظاہر وباطن کا جمگھٹا رہتا تھا۔ یہ صرف مطب ہی نہیں بلکہ ایک درسگاہ اور خانقاہ تھی جہاں صاحبانِ معرفت وعرفان اور تشنگانِ علم مبتدی سے لیکر منتہی تک اپنی اپنی بساط کے مطابق سیراب ہوتے اور ہر مستفیض ومستفید ہونے والے کی یہ کیفیت ہوتی ہے

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

کیونکہ یہاں پر ہر شعبہ پر تحقیقی گفتگو اور اصلاح پر بحث ہوتی تو علم وادب سے شغف رکھنے والے اور فہم وفراست رکھنے والے یہیں کے ہو جاتے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی طالب علم گفتگو کرتے ہوئے تلفظ کی غلطی کرتا یا تحریر میں کوئی لفظی غلطی ہوتی تو آپ اس کا نوٹس لیتے اور اس کی اصلاح کرنے کے ساتھ ثبوت کے طور پر قدیم نادر ونایاب لغات سے مطلوبہ الفاظ کی نقول فراہم کرتے تھے۔

میں نے ۱۲ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو آپ سے آٹوگراف لیا۔ اس وقت سید نور محمد قادری مرحوم بھی مطب پر موجود تھے۔ حکیم صاحب نے تحریر فرمایا کہ "ہمیشہ طالب علم رہو" اور اپنے دستخط ثبت فرمائے۔ یہ آپ کا علم ودانش کی طرف اشارہ تھا جو آپ اکثر انجمن طلبہ اسلام کے کارکنوں کو فرمایا کرتے اور انہیں مزید تعلیم جاری رکھنے کی تلقین کرتے۔ آپ نہ پڑھنے والوں کو بھی علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس لیے یہ جملہ لکھ کر دریا کوزے میں بند کر دیا۔ جو "دریا بہ حباب اندر' دنیا بہ کتاب اندر" کے مصداق ہے۔ علم کی فضیلت آیاتِ قرآنی اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کا قول ہے "تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو سکھانا ہے۔"

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "میں علم حاصل کرتے کرتے قطب بن گیا۔"

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ "جاہل شخص خدا کو نہیں پہچان سکتا۔"

حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ "جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہ دے ڈالو علم تمہیں اپنا کوئی حصہ بھی نہیں دے گا۔"

۱۹۸۵ء کے اواخر میں راقم کو کوٹ ادو میں کاروبار کے سلسلے میں جانا پڑا۔ میں جب بھی لاہور آتا تو حکیم صاحب کے مطب یا دولت خانہ پر ضرور حاضر ہوتا۔ میں ۱۹۹۵ء تک وہاں رہا۔ اس عرصہ میں میری آپ سے خط و کتابت بھی رہی۔

انہوں نے مجھے بہت سا علمی مواد ارسال کیا جس میں کتب 'رسائل 'اخبارات 'مطبوعہ و غیر مطبوعہ مضامین 'مشاہیر کے مکاتیب شامل تھے۔ راقم کے ننھیال اولیائے کرام سے غایت عقیدت رکھتے ہیں اور میرے نانا جان حضرت مولوی خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ فخریہ مہارویہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی جن کے حالات پر مشتمل کتاب "فیضانِ نور" مطبوعہ ۱۹۸۷ء حکیم صاحب کی تحریک پر جناب میاں اخلاق احمد صاحب مرحوم و مغفور نے مرتب فرمائی۔ اس پر حکیم صاحب نے بھی سخنانِ چند تحریر فرمائے جن میں انہوں نے میرے حق میں بھی دعا فرمائی کہ "اللہ تعالی انہیں (متین) خود لکھنے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔" اس وقت روزنامہ نوائے وقت کے معروف کالم نگار جناب سید سبط حسن ضیغم صاحب بھی موجود تھے۔ یہ ان کی دعا کا اثر ہے کہ راقم نے بھی متعدد کتب تصنیف کر لیں 'جو درج ذیل ہیں :

احوال و آثار میاں اخلاق احمد رحمۃ اللہ علیہ (مطبوعہ) 'احوال و آثار علامہ عبدالعزیز پرہاروی چشتی نظامی (مطبوعہ) 'جموں تا لاہور (غیر مطبوعہ) 'گلہائے عقیدت (مطبوعہ) 'حضرت حکیم امام الدین پاکپتنی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا سلسلۂ تلمذ (غیر مطبوعہ) 'مورخ لاہور (غیر مطبوعہ)

کچھ عرصہ بعد حکیم صاحب نے مجھ سے کوٹ ادو میں مدفون ایک بہت بڑی علمی اور روحانی شخصیت شیخ الاسلام علامہ عبدالعزیز پرہاروی قدس سرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو۔ میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمایا کہ اپنے علاقے کے صوفیائے کرام کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے ؟ ان سے باخبر رہا کرو۔ یہ سننا تھا کہ مجھے علامہ پرہاروی کے بارے میں کچھ جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ تو پتا چلا یہ تو ہمارے ہی سلسلے کے عظیم الشان بزرگ ہیں اس پر میری دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا اور میں نے علامہ پرہاروی پر لکھنا شروع کر دیا۔ جب میں نے اس کا اظہار حکیم صاحب سے کیا تو انہوں نے بھی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا اور مجھے علامہ پرہاروی پر مواد بھیجنا شروع کر دیا جس کی راہنمائی میں ۱۹۹۳ء میں راقم نے کتاب "احوال و آثار حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی چشتی نظامی" تالیف کی جسے جناب صوفی منصور اصغر صاحب سرپرست مجلسِ خدام اسلام نے شائع کیا۔ میں نے اس کتاب کے

انتساب کے لیے جناب منصور اصغر صاحب سے عرض کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس کتاب کا انتساب حضرت حکیم صاحب کے نام ہو کیونکہ مجھے علامہ پرہاروی اور حکیم صاحب کی شخصیت میں نام و کام، مذہب و مشرب کے حوالے سے کافی مناسبت و مطابقت نظر آتی ہے اور اس کتاب کے محرک بھی وہی ہیں۔ میری یہ بات منصور صاحب کو بہت پسند آئی تو انہوں نے اس کتاب کا انتساب حکیم صاحب کے نام کر دیا۔ جب کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آئی تو ایک صاحب انتساب دیکھ کر تڑپ اٹھے اور مجھ سے کہنے لگے تم نے ایسا کیوں کیا، عالم اسلام کی عظیم شخصیت علامہ پرہاروی کی طرح موجودہ دور کی کسی ایسی ہی شخصیت کے نام معنون کرتے تو زیادہ بہتر تھا۔ اس پر راقم نے ان صاحب سے کہا کہ میرے علم کے مطابق اس کتاب کے انتساب کی حقدار ماسوائے حکیم صاحب دوسری کوئی شخصیت نہیں ہو سکتی اور دیگر اہل علم و فضل بھی میری تائید کریں گے۔

پروفیسر محمد اسلم مرحوم کا تاریخ کے حوالے سے بہت بڑا نام ہے وہ رئیس شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی تھے۔ بڑے متعصب اور متشدد دیوبندی تھے لیکن حکیم صاحب کی صحبت کی وجہ سے راہِ اعتدال پر گامزن ہو چکے تھے۔ ایک مرتبہ وہ مطب پر آئے اور آپ سے کچھ استفسار کیا۔ ان کے جانے کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ پروفیسر صاحب نے اتنا زیادہ علمی کام کیا ہے کہ وہ مر نہیں سکتے لیکن ان کے اپنے مکتب فکر والوں (دیوبندیوں) نے ان کی قدر نہیں کی اور اس لیے انہیں نظر انداز کر دیا کہ انہوں نے اپنی تصانیف میں بریلوی مسلک کے مشاہیر کے تذکرے کیے ہیں۔

اس کے بعد مجھے تنبیہ کی کہ "آج کے ترقی یافتہ دور میں کوئی بھی علمی کام کرو تو اس میں غیر جانبداری برتو۔ ہر بات مستند اور معتبر ہو اور مناظرہ بازی سے پرہیز کرو خاص طور پر اختلافی حوالہ جات دیتے ہوئے محتاط رہو۔"

پروفیسر محمد اسلم صاحب کے مطب پر آنے کی وجہ سے ہمارے ایک مولوی صاحب حضرت حکیم صاحب سے بہت خفا ہوئے اور انہوں نے اپنے ایک خط میں ناراضی کا اظہار کیا۔ جس کا ذکر حکیم صاحب نے راقم سے بھی کیا تو مجھے حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کا یہ شعر یاد آگیا' چند الفاظ کی تبدیلی سے معذرت کے ساتھ ؎

وہ زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکے قند　　　　اپنے بھی خفا اُن سے بیگانے بھی ناخوش

راقم نے تو یہ محسوس کر لیا کہ اگر کوئی علمی بات تحقیق و سند کیساتھ ہو تو علم دوست حضرات اپنے اور بیگانے اسے تسلیم کر لیتے ہیں اور علم و عمل سے عاری اس کی تصدیق سے انکار کر کے مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔

اس کی دوسری مثال بھی ملاحظہ ہو :

فہرست ذخیرۂ کتب کی جب پہلی جلد شائع ہوئی تو اس کا ایک نسخہ حکیم صاحب نے مجھے بھی مرحمت فرمایا۔ جب وہ جلد میرے ہاتھ میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے ایک پروفیسر صاحب نے دیکھی تو ایک دم تلملا اٹھے اور کہا کہ "حکیم صاحب کا بڑا نام سنا ہے لیکن انہوں نے کوئی اصلاحی کام نہیں کیا۔ میری ان سے ایک ملاقات ہوئی تھی جس پر میں نے محسوس کیا کہ وہ متعصب اور متشدد بریلوی ہیں۔"

راقم پروفیسر صاحب کی یہ گفتگو سن کر بہت حیران ہوا اور ان سے کہا کہ آپ نے ایک ہی ملاقات میں اتنی بڑی شخصیت کے بارے میں ایسے ریمارکس کیسے دے دیئے؟ حالانکہ آپ کی تمام پروفیسرز برادری ان کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کر رہی ہے۔ جس وقت آپ مطب پر ملاقات کے لیے گئے تھے اس وقت کسی متشدد اور متعصب شخص کو گفتگو کرتے سنا ہوگا اور آپ نے اپنا نتیجہ اخذ کر لیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ راقم کو حضرت شیخ محمد محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات درکار تھے، اس سلسلے میں ایک نام نہاد علم دوست اور بہت بڑے کتب خانہ کے مالک اور ایک رسالہ کے ایڈیٹر سے ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے مطلوبہ مواد کی فوٹو کاپی دے دی۔ جب وہ حالات حکیم صاحب نے میرے پاس دیکھے تو دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے لیے ہیں؟ راقم نے عرض کی کہ فلاں سے۔ یہ کہنا تھا کہ آپ فوراً جلال میں آگئے اور فرمایا اب تم نے کتاب چوروں سے بھی ملنا شروع کر دیا اور آپ نے اپنی دراز کھولی اور محترمہ پاشا بیگم صاحبہ، کراچی کے خط کی نقل دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے پڑھو اور علمی سرقہ پر سوگ مناؤ۔ بعد میں خلیل احمد رانا کا جہانیاں سے ایک خط حکیم صاحب کو موصول ہوا جس میں اس کتاب چور کی مزید تصدیق ہوگئی۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کی کہ حسن اتفاق ہے کہ آپ کے ننھیال اور راقم کے والد کے ننھیال کشمیری شیخ ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا صرف باتیں نہیں کرتے بلکہ کچھ کر کے یا کچھ بن کے دکھاتے ہیں۔ کیا تم نے کشمیر کے بارے میں بھی کچھ لکھا ہے۔ راقم نے عرض کی جی ہاں! کشمیر پر بھی کتاب لکھ چکا ہوں، اگر آپ اس پر پیش لفظ تحریر فرما دیں تو بہت بہتر ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا، کشمیر چند ہی لمحوں میں تسخیر ہو سکتا ہے لیکن ہماری غلطیوں کی وجہ سے التواء میں پڑ گیا ہے جس کی تفصیل دیباچہ میں لکھوں گا۔

۱۱ر جنوری ۱۹۹۶ء کو ایک عدد نئی ڈائری عنایت فرمائی اور فرمایا کیا تم ڈائری بھی لکھتے ہو یا یوں ہی جھک مارتے ہو۔ راقم نے عرض کی کہ کبھی کبھار رطب و یابس لکھتا رہتا ہوں۔ فرمایا سید شرافت نوشاہی اور خواجہ حسن نظامی کی ڈائری پڑھو۔ میں نے عرض کی کہ میں اخبارات میں سیلانی کی ڈائری پڑھتا رہا

ہوں۔ فرمایا ڈائری کو روزنامچہ بھی کہتے ہیں اس سے لکھنے پڑھنے والوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے' علاوہ ازیں یادداشت اور تواریخ محفوظ ہو جاتی ہیں۔ تم اس ڈائری میں مادہ ہائے تاریخ ارتحال بھی لکھنا۔

حکیم صاحب بھی ڈائری لکھا کرتے تھے جو اُن کے ذخیرۂ کتب پنجاب یونیورسٹی میں موجود ہے۔ راقم نے بھی اپنی ڈائریوں میں آپ کے چند ملفوظات قلمبند کیے، ان میں سے چند اقتباسات اس تحریر میں بھی درج ہیں۔ میں نے متعدد بار جناب محمد عالم مختار حق صاحب، جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب، جناب ملک محمد شہزاد مجددی صاحب اور سید سرفراز احمد زیدی صاحب کو آپ کے ملفوظات قلمبند کرتے دیکھا جو ہفتہ میں ایک بار آپ کے مطب پر ضرور تشریف لاتے اور سرفراز زیدی صاحب تو اکثر آپ کے گھریلو کام کرنے کی خدمت پر بھی مامور تھے۔ حکیم صاحب درگاہ حضرت میاں میر فاروقی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے قبرستان میں جہاں حکیم صاحب کے والدین کے مزارات ہیں اکثر زیدی صاحب کے ساتھ جانا پسند فرماتے۔ زیدی صاحب کا شمار بھی حکیم صاحب کے خدام خاص میں ہوتا ہے۔

جوں جوں حکیم صاحب کی شخصیت اور خدمات منظر عام پر آرہی ہیں توں توں موصوف بین الاقوامی علمی، ادبی اور روحانی شخصیت کا درجہ اختیار کر گئے ہیں۔ ان کے بارے میں اگر دریافت کرنا ہو تو قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی کے بیٹے مولانا فضل الرحمٰن مدنی، ایرانی اسکالر ڈاکٹر محمد حسین صاحب تسبیحی یا ایرانی اسکالر سید مصطفیٰ موسوی، کویت کے سابق وزیر سید یوسف ہاشم الرفاعی، ترکی کے اشاعتی ادارے کے مالک حسین حلمی، جاپانی قلم کار متسو ہائیسو گوچی یا ہیروشی ہاگیتا ٹوکیو یونیورسٹی، نومسلم امریکن اسکالر فریک بوہلر (سالم عبداللہ) یا نومسلم ڈاکٹر ماریا (مجاہدہ) کیلیفورنیا یونیورسٹی کے پروفیسر ہمبرنیس، جرمن کی نومسلم ڈاکٹر این میری شمل (مریم جمیلہ)، اٹلی کی نومسلم میڈم ریٹا (راشدہ صدیقی، کراچی) المعروف حضرت رابعہ ثانی صاحبہ اور امریکہ کی باربرا مٹکاف، بھارت کے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی دہلی، ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ یا بھارتی دانشور کولمبیا یونیورسٹی نیویارک کی پروفیسر اوشا سانیال، ڈاکٹر انیل سیٹھی اور کشمیر کے میر محمد اشرف اندرابی، کینیڈا کے پروفیسر ڈیوڈ اور وہاں کی سکونت پذیر ڈاکٹر ساجدہ علوی سے پوچھا جائے کہ حکیم صاحب کیا تھے یا پھر افغانستان کے پیر فضل عثمان مجددی مرحوم، کشمیر کے مفتی ضیاء الدین مرحوم، بھارت کے زید ابوالحسن فاروقی مرحوم اور پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم اور مالک رام، حکیم صاحب کے مقامِ علم و فضل سے کتنا متاثر تھے اور دیگر اہلِ علم و دانش خواتین و حضرات آپ کی علمی، ادبی خدمات کے معترف ہیں۔ ؎

قدر پھلاں دا بلبل جانے صاف دماغاں والی   قدر پھلاں دا گرج کی جانے مردے کھاون والی

اگر کوئی اہل علم آپ کے ہاں علمی معاونت کی غرض سے آتا تو آپ اس سے بھر پور تعاون فرماتے۔ چاہے وہ جس موضوع کا ہوتا آپ اس کام کی تکمیل کے لیے کمربستہ ہو جاتے۔

ایک مرتبہ راقم نے مورخ لاہور میاں محمد دین کلیم پر مضمون لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو بس پھر کیا ہوا آپ نے اتنا مواد فراہم کیا کہ وہ مضمون طوالت اختیار کرتے کرتے ایک ضخیم کتابی مسودہ بن گیا۔

اسی طرح آپ ہی کی خواہش پر جناب میاں احمد بدر اخلاق صاحب نے اپنے والد کے نام کو یادگار بنانے کے لیے شادباغ لاہور میں "میاں اخلاق احمد اکیڈمی" قائم کی۔

فہم و فراست کا یہ حال تھا کہ آپ کے پاس ہر ایک مسئلہ کا حل موجود تھا چاہے وہ کسی بھی نوعیت کا ہوتا۔ ہر بات کا جواب تسلی بخش دیتے تھے۔ جو بھی جس مزاج و طبیعت کا مالک ہوتا آپ اس سے ویسا ہی رویہ اپناتے۔

صوفیہ کرام کی تعلیمات کے دلدادہ تھے اور کتب تصوف پر گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ متعدد کتب تصوف پر بڑی شرح و بسط سے دیباچے، مقدمے اور تبصرے تحریر فرمائے۔

جب بھی آپ کی کوئی دست بوسی کرتا تو منع فرماتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ ادب و احترام کو صرف اپنے دل میں رکھو۔ متعدد حضرات نے دست بیعت کی درخواست کی مگر آپ نے صاف صاف انکار کر دیا لیکن بعد میں آپ نے اپنے خدام خاص کے بچوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے مرید ہیں۔ ان میں راقم کا صاحبزادہ وامق بلال سرفہرست ہے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے کہ ہمارا خانقاہی نظام پیری مریدی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے ماسوائے چند خانقاہوں کے۔ اگر کوئی صاحب خانقاہی نظام پر تحقیق کرتے تو آپ اس کی راہنمائی فرماتے لیکن افسوس اس طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ آپ اسے زندہ دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ خانقاہی نظام کو زندہ دیکھنے اور اہلسنت و جماعت کو متحد کرنے کے خواہاں تھے اور اسی مذہب مشرب اور مسلک کے تحت خدمت خلق، دین اسلام کی بقا اور ملک و ملت کی فلاح کو انتہائی اہم گردانتے تھے اور آپ ساری زندگی اسی طریق پر گامزن رہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

راقم نے آپ کے وصال پر بے شمار تاریخی مادے استخراج کیے، ان میں ایک مادہ الہامی ہے وہ یہاں پر درج کیا جاتا ہے۔

"الله 'الله' نور الله مرقده وبرد الله مضجعه"

۱۹۹۹ء

خطیب اعظم پاکستان علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

از : محمد سراج الدین شریفی، مغلپورہ، سہسرام۔ بہار

حضرت خطیب اعظم پاکستان علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات بابرکات پاکستان ہی کیا بیرون ملک بھی کئی ممالک میں حیثیت ایک بے مثل خطیب اعظم جانی پہچانی جاتی ہے۔ اپنے زمانے میں انہیں فنِ خطابت میں سب پر سبقت حاصل تھی۔ وہ ایک بے مثل خطیب تھے۔ فصاحت وبلاغت میں بھی ضرب المثل تھے۔ آج ان کی غیر موجودگی میں ان کی تقریری کیسٹیں، جن کی دھوم مچی ہوئی ہے، ان کی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں۔ ان کا نام جلسوں کی کامیابی کی ضمانت تھا۔ ان کے بارے میں مخالف گروہ کے علماء کہا کرتے تھے کہ اگر ان جیسا خطیب ہماری جماعت میں ہوتا تو ہم پورے ملک کو ہم مسلک بنالیتے۔ ان کی زبردست اہمیت و مقبولیت کی بناء پر ان پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ ان کے انداز بیان دیکھ سُن کر کتنے لوگ خطیب بن گئے۔ انہوں نے سیاسی پلیٹ فارم سے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ تحریکِ ختمِ نبوت، تحریکِ تحفظ ناموسِ رسالت، اور تحریکِ نفاذِ نظام مصطفےٰ میں پیش پیش رہے ہیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں تحفظ ناموسِ رسالت سے متعلق قوانین انہوں نے ہی وضع کیے تھے۔ ان کی خدماتِ عظیمہ کے صلہ میں قوم نے تو خوب پذیرائی کی مگر مختلف حکومتوں کی مہربانیوں سے انہیں سلاخوں کے پیچھے بھی رہنا پڑا ہے۔ ایسی ہمہ جہت شخصیات کا وجود اپنے زمانہ میں بہت نافع اور باعثِ خیر وبرکت ہوتا ہے۔ انہیں شخصیات میں سے ایک حضرت خطیبِ اعظم پاکستان کی ذات بھی ہے۔ ذیل کے سطور میں حضرت کے حالات وخدمات پر مشتمل ایک مضمون جو ان کے معاصرین کے تاثرات پر مبنی ہے ہدیۂ قارئین ہے۔

علامہ فیض احمد اویسی جنہوں نے اب تک ڈھائی ہزار کتابیں لکھی ہیں فی زمانہ وہ تعداد کتب کے اعتبار سے سب سے بڑے مصنف ہیں۔ اپنا خراجِ عقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں،

" فقیر مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی صاحب سے اس وقت متعارف ہوا جبکہ مدرسہ انوار العلوم ملتان شریف میں حضرت کو دستارِ فضیلت کا شرف حاصل ہوا۔...... مدرسہ ہذا کے دستارِ فضیلت کے جلسے میں علماء کی قطار میں ایک حسین و جمیل اور بارعب نوجوان نمایاں نظر آرہا تھا۔ محسوس یہ ہوا کہ

حضرت کوئی اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ نورانی چہرہ والے صاحب فارغ ہونے والوں میں سے ایک ہیں اور ان کی دستار بندی ہونے والی ہے۔ انہیں فارغ تحصیل ہونے والے علماء کی صف میں نہیں بلکہ مہمان علماء کی صف میں بٹھایا گیا تھا۔...... اسی دوران غزالیٔ زماں حضرت علامہ احمد سعید شاہ کاظمی نے خود اعلان فرمایا کہ ابھی چند سوالات وسیلہ کے بارے میں مخالفین کی طرف سے پہونچے ہیں ان کا جواب مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی دیں گے۔ ہجوم نے پرجوش نعروں سے استقبال کیا۔ مولانا نے قرآن واحادیث سے ان تمام سوالوں کے بہترین جوابات بیان فرمائے تو مجمع میں ایک خصوصی فرحت وسرور کی لہر دوڑ گئی دوران تقریر برابر نعرے گونجتے رہے اور سارے مقررین پر سبقت لے گئے۔

اس نشست کے آخر میں صدر جلسہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی صاحب کی صدارتی تقریر ہوئی۔ آپ نے اپنی تقریر میں ایک جملہ بیان فرمایا کہ "حاضر وناظر ہونا توصفتِ رسول اعظم ہے اللہ تعالیٰ کیلئے یہ صفت بیان کرنا تو کفر کی حد تک پہونچا دیتا ہے"۔ چونکہ جلسہ میں سبھی اہل علم نہیں تھے اس لئے خدشہ تھا کہ کہیں مخالفین اعتراض کا دفتر نہ کھولدیں۔ اس امر کو محسوس کرتے ہوئے حضرت غزالیٔ زماں نے عام روش سے ہٹ کر یہ اعلان کیا کہ صدر جلسہ کے حاضر وناظر کے مسئلہ پر کی گئی اجمالی بیان کی مختصر تفصیل مولانا اوکاڑوی بیان کریں گے۔

غزالیٔ زماں کا اعلان مولانا شفیع اوکاڑوی پر ان کے اعتماد کا واضح ثبوت تھا۔ ہجوم پھر ان کو سننے کیلئے بے تاب ہو گیا۔ نعروں کی گونج تھی کہ رک نہیں رہی تھی۔ رات کا آخری پہر تھا مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مجمع تازہ دم ہے اور سب کی خواہش تھی کہ مولانا صبح تک بولتے رہیں لیکن مولانا نے بہت مختصر مگر جامع بیان فرمایا اور مسئلے کو واضح کیا۔ اس سال تقسیم اسناد میں حضرت ہی کی ذات نمایاں تھی۔ دستار فضیلت کے بعد جو منظر دیکھنے میں آیا وہ قابل دید تھا۔ مولانا اوکاڑوی ایک بڑے جھرمٹ میں گھر گئے۔ اس وقت آپ کی ڈائری لوگوں کے ہاتھ میں تھی اور باوجود اس کے کہ اوکاڑوی صاحب علماء وعوام کو تاریخ دینے سے معذرت کرتے رہے مگر ڈائری میں کوئی بھی تاریخ اس سال خالی نہ رہی اور عوام کی بڑی تعداد دوسرے سال کی ڈائری کے انتظار میں اپنا ارمان دل میں لیکر رہ گئی۔

ضلع رحیم خاں کے قرب میں ایک عاشقِ رسول گذرے ہیں۔ وہ ایک سال میں کئی جلسے کرتے اور پھر سالانہ جلسہ میں چوٹی کے خطباء کو مدعو کرتے۔ بلبلِ باغ فرید حضرت مولانا محمد یار صاحب جیسی شخصیات ان کے جلسوں کی زینت بنتی تھی۔ جناب محمد یار محمد صاحب ' مولانا اوکاڑوی پر سو جان سے قربان ہو گئے۔ چنانچہ اپنے سالانہ جلسہ کیلئے اوکاڑوی صاحب کو مدعو کیا اور اس جلسہ کا اتنا اہتمام کیا کہ میں

جب (مولانا فیض احمد اویسی) اپنے طلباء کے ساتھ پہونچا تو وہاں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ دور دور تک خیمے ہی خیمے تھے اور عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ پھر تقریر کا سماں عرض کروں تو کیسے کروں۔ اوکاڑوی صاحب کے ہر اجتماع اور ہر خطاب کی مثال دی جاتی تھی۔ وہ بہت کم وقت میں پنجاب کے سب سے بڑے خطیب ہو گئے۔ اور ان کا نام ہی جلسوں کی کامیابی کی ضمانت ہو گیا تھا۔...... پھر وہ کراچی ہی میں مقیم ہو گئے۔ (گنج کرم حضرت کرماوالی سرکار کے حکم پر) پھر تو مخالفین کا برا حال ہو گیا۔ ہم نے مخالفین سے بارہا سنا کہ ایک پنجابی نوجوان نے ہماری محنت برباد کر دی اور ہماری نیندیں حرام کر دی ہے۔ مخالفین کے تمام علمی دعوے اور بد عقیدگی کے سلسلے کو حضرت نے خاک میں ملا دیا۔ اور حق و صداقت کا ایسا بول بالا کیا کہ ہر طرف اُجالا ہو گیا...... مخالفین آپ کی جان کے دشمن بن گئے اور بالآخر قاتلانہ حملہ کر ہی دیا مگر اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور اس کے بعد پہلے سے زیادہ آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہو گیا۔ اور نہ صرف پاکستان بلکہ غیر ممالک میں بھی آپ کا طوطی بولنے لگا۔ بفضلہ تعالیٰ آپ کو ہر موضوع پر علمی، تحقیقی گفتگو کی قدرت حاصل تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ آپ کی تقریری محفلوں میں ایک عجیب سی خوشبو پھیل جایا کرتی تھی۔ بلاشبہ یہ خطیبِ اعظم پاکستان کی کرامت اور ان کے مقبولِ بارگاہ الٰہی ہونے کی روشن دلیل ہے۔"

سربراہ مشائخ اہلسنت پاکستان مولانا قاری شمس الرحمن صدیقی اپنا گل ہائے عقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں،

"امیر اہلسنت، مجدد مسلک اہلسنت و تاجدار اقلیم خطابت، بانی جماعت اہلسنت، مجاہد و غازی، مفتی و متقی حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی کو وصال کے دو عشرے بیتنے والے ہیں مگر ان کی علمی و تحقیقی کاوشیں، دین و ملت کیلئے ان کی بے پایاں خدمات اور بالخصوص جادو بیان خطابت نے دنیا بھر میں انمٹ نشان چھوڑے ہیں...... یہاں تک کہ ان کے بارے میں جسٹس علامہ سید شجاعت علی قادری کے یہ جملے بالکل درست ہیں کہ "حضرت خطیب اعظم پاکستان کو سنکر لوگ عالم و فقیہ بن گئے اور ان کے ہم مسلک ہر بات خوبی مانتے اور مخالف کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا...... اندازہ کیجئے کہ اتنی مقبولیت اور اعتبار حضرت اوکاڑوی صاحب کو حاصل تھا۔ اپنوں کا اعتراف، محبت و عقیدت کی بناء پر ہوتا ہے مگر ہزاروں گواہیاں موجود ہیں کہ مخالفین بھی ان کی عظمت و استقامت کا اعتراف کیا کرتے تھے، بلکہ آج بھی کر رہے ہیں۔"

"میں اور میرے دس ساتھی ۱۹۷۷ء میں، تحریکِ نظامِ مصطفٰے کے دوران جہلم کی جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ اس جیل میں اس وقت متعدد اکابر علماء قید تھے۔ ان میں ایک دیوبندی عالم جسے وہ شیخ القرآن کہتے غلام اللہ خاں بھی قید تھے۔ اسیر ہونے والے علماء کے درمیان اکثر

جیل میں گفتگو اور ملاقات ہوتی۔ ان میں مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال بھی ہوتا۔ اختلافی مسائل پر مباحث کا سلسلہ بھی رہتا۔ ایک دن دوران گفتگو مختلف مسالک کے خطیبوں کا ذکر چل نکلا، بہت سے نام اس حوالے سے لئے گئے اور ان کی خطابت اور خدمات پر بحث ہوتی رہی۔ غلام اللہ خاں صاحب خود اتنے متنازعہ تھے کہ اکثر دیوبندی علماء بھی ان سے متفق نہیں ہیں باوجود اس کے وہ دیوبندیوں میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ ہم تمام ساتھیوں کے سامنے برملا کیا کہ "عصر حاضر میں بریلوی مکتب فکر کے خطیب مولانا اوکاڑوی صاحب لاثانی اور مثالی خطیب ہیں کسی بھی موضوع پر گھنٹوں دلائل کیساتھ ایسی گفتگو کہ ہر کسی کو نہ صرف سمجھ میں آجائے بلکہ یاد بھی ہو جائے اور تکلم کیساتھ ترنم اور پرکشش آواز و انداز کے ساتھ معلومات کا خزانہ' یہ خطیبِ اعظم پاکستان کا حصہ ہے۔ وہ ایسے خطیب ہیں کہ ان سے اختلاف رکھنے کے باوجود ان کے خطابت کی عظمت و مرتبت کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا خطیب ہمارے پاس ہوتا تو پورا ملک ان کی وجہ سے ہمارا ہم مسلک ہو جاتا۔ ہم اس کی بہت قدر کرتے۔"

ایک شدید مخالف کا یہ اعتراف حضرت اوکاڑوی کی عظمت و فضیلت کو اور نمایاں کرتا ہے (بزرگی اور فضیلت وہی ہے جس کی گواہی دشمن بھی دے) اسیر علمائے دیوبند سے سنا گیا کہ اوکاڑوی صاحب کا خطاب سن لینے والا ان سے متاثر ہی نہیں ہوتا بلکہ متفق بھی ہو جاتا ہے۔ ان کی باتوں پر ہم انہیں کہتے کہ پھر آپ لوگ ان سے اتفاق کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ لاجواب ہو جاتے۔

حضرت خطیب اعظم کے بارے میں ان کے استاد گرامی حضرت غزالیٔ زماں رطب اللسان ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے فنِ خطابت میں اوکاڑوی کو وہ بلند مقام عطا فرمایا تھا جس پر دنیا رشک کرتی تھی بلکہ حسد تک کی نوبت آگئی اور ہمیں شک نہیں ہے کہ علامہ اوکاڑوی محسود القرآن تھے۔"

علامہ اوکاڑوی کے ایک اور استاد حضرت شیخ القرآن علامہ غلام علی اشرفی صاحب فرماتے ہیں۔

"الحاصل علامہ مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے لیکن فنِ رجال اور فنِ خطابت میں علامہ کو جو مقام و مرتبہ حاصل تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ سیکڑوں ان کی پیروی میں آسمانِ شہرت پر چمکے ہیں۔ بلاشبہ وہ بے مثل خطیب تھے اور اپنی طرزِ خطابت کے موجد اور امام تھے۔"

کہا سنا جاتا ہے کہ اکثر قائدین عہدہ و منصب پاکر اپنے کارکنوں اور ان کے مسائل پر توجہ نہیں دیتے مگر حضرت اوکاڑوی دن بھر اگر ایوان میں ملک و ملت کیلئے قوانین سازی میں مشغول رہتے تو رات بھر تبلیغ کا سلسلہ اور اپنے تمام احباب و متعلقین سے رابطہ رکھتے تھے۔ ان کا در ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ ان سے

اکابر واصاغر آسانی سے ملتے اور وہ علماء و عوام اہلسنت کے حقوق کے تحفظ اور ان کے انفرادی واجتماعی، عمومی و سماجی مسائل کے حل کیلئے کوشاں رہتے۔ انہوں نے کبھی عہدہ و منصب کی خواہش نہیں کی بلکہ یہی دیکھا گیا کہ اعلیٰ عہدوں اور منصبوں کیلئے "ان" کی خواہش کی جاتی تھی۔

علامہ محمد شفیع اوکاڑوی صاحب میدانِ خطابت کے علاوہ میدانِ سیاست کے بھی ایک زبردست شہسوار تھے۔ انہوں نے مختلف اوقات میں سیاسی پلیٹ فارم سے مذہبی و ملی خدمات انجام دی ہیں۔ بلکہ تحفظ ناموسِ رسالت سے متعلق قوانین بھی انہوں نے ہی جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں وضع کیا ہے۔ تحریکِ نفاذِ نظامِ مصطفےٰ کے سلسلے میں بھی بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا ہے اور اس کی پاداش میں انہوں نے قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کی ہیں۔ خدائے بزرگ وبرتر نے انہیں ایسی آواز عطا فرمائی تھی کہ راہ چلنے والے کے کان میں پڑ جاتی تو اس کے قدم خود بخود تھم جاتے اور وہ پوری تقریر سنے بغیر قدم نہیں اٹھا پاتا تھا۔ حضرت جب تکلم کیساتھ ترنم کا مظاہرہ فرماتے اور عشق رسول کا بیان ہوتا تو خود وہ بھی اور سامعین بھی وجد و کیف میں ہوتے اور یوں محسوس ہوتا کہ بلبل چہک رہا ہے باغِ رسول میں۔ ان کی تحریریں بھی بلاغت کی عکاس تھیں۔ ان کی کتابیں بطور یادگار ہیں۔ ان کی تقریری کیسٹوں کی دھوم ہے۔

حضرت مولانا حافظ محمد شفیع صاحب اوکاڑوی مرحوم نے صرف پچپن سال کی مختصر عمر پائی تھی۔ اس اثناء میں انہوں نے عالم اسلام کے ایک بڑے حصے کو سیراب اور فیضیاب کیا ہے۔ انہوں نے قریب چالیس سال تک اپنی دینی و ملی نیز مسلکی اور سیاسی خدمات کے انمٹ نقوش ثبت کر کے اور اپنے علم و عمل کی روشنی بکھیر نے کے بعد ۱۹۸۴ء میں اس دار فانی کو الوداع کہہ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ عزوجل ان کی عظیم خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے درجات کو بلند کرے اور ان کے فیضان کو بعد وصال بھی جاری وساری رکھے۔

حضرت خطیب اعظم پاکستان کے لائق وفائق شہزادہ حضرت ڈاکٹر مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اپنے والد بزرگوار کے راستے پر چلتے ہوئے قومی خدمات انجام دے رہے ہیں اور تقریر و تحریر کے ذریعے دین و مسلکِ حقہ کی آبیاری میں معروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ کرم دراز تر فرمائے تاکہ قوم و ملت ان سے بھرپور استفادہ حاصل کر سکے اور باطل قوتوں کی سرکوبی ممکن ہو سکے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

(حوالہ ۱۶ ارواں یادگاری مجلہ، علامہ محمد شفیع اوکاڑوی قدس سرہ العزیز منجانب مولانا اوکاڑوی اکادمی العالمی، گلزارِ حبیب ٹرسٹ، کراچی، پاکستان)

نازشِ قرطاس و قلم

(نذرانۂ خلوص بخدمت عالی ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ)

از قلم: محمد حسین مشاہد رضوی۔ رضا اکیڈمی، مالیگاؤں

اے باعثِ افتخارِ سخن
اے نازشِ قرطاس و قلم
اے شہریارِ علم و ہنر
اے شناورِ بحرِ علوم رضا
اے واقفِ اسرارِ تدقیقاتِ علومِ رضا
آپ رئیسُ التحقیق
آپ شہزادۂ تحریر
آپ کی تحریر کے
آپ کی تصنیفات کے
فروزاں ہیں ورق ورق
قنادیلِ تحقیق سے
طبیعت وجد کرتی ہے
منفرد اسلوب سے
بحرِ بیکراں نہاں
تحقیق کا تحریر میں
آپ کی تحقیق کا
آپ کی تحریر کا
محور، رضا کی ذات ہے
مرکز، رضا کی ذات ہے
اقلیمِ علم و فن کے شاہنشاہ کی ذات ہے
متنوع صفات کے حامل امام کی طرف
محققین و ناقدین اور مصنفین کو

آپ نے راغب کیا
آپ نے مائل کیا
فکرِ امام احمد رضا کے گوہر آبدار
چار سُو اکنافِ عالم میں لٹایا آپ نے
میں ہوں جو اس جگہ
حاملِ فکرِ رضا
لاریب ہے مرہونِ منت
آپ کی تحقیقات کا
آپ کی تصنیفات کا
آپ کی تحریرات کا
ثبت ہیں قلب و جگر کے
خوشنما قرطاس پر
آپ کی عقیدت کے
آپ کی محبت کے
لاریب نقوشِ جاوداں
خالقِ کُل سے دُعا ہے
یہ میری بہر رسول
اہل سنت کے سروں پر
اے ماہر رضویات
سلامت رہے دائما
آپ کا ظلِّ عاطفت
(آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

قسط دوم

روداد پاکستان ۱۹۹۹ء

از: محمد زبیر قادری

منگل ۱۴ ر شعبان المعظم بمطابق ۲۳ ر نومبر ۹۹ء کا دن آیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں گھر گھر میں شیرینی پکا کر نیاز و فاتحہ کا اہتمام کیا جارہا ہے اور شیرینی آپس میں تقسیم کی جارہی ہیں۔ مساجد میں بعد نمازِ مغرب چھ رکعت نوافل کیلئے لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ یہاں کا ماحول اجنبی ہونے کے باوجود ہم مسلک ہونے کی وجہ سے بہت اچھا لگا۔ پھر میں نے اپنے خالہ زاد اور ماموں زاد بھائیوں کے ہمراہ رات کا پروگرام بنایا کہ پہلے حضرت مسعودِ ملت کے والد صاحب کے عرس پاک میں شرکت کریں گے پھر گگری گراؤنڈ میں دعوت اسلامی کے اجتماع میں شرکت کی جائے گی۔

خوف وہراس میں رہنے والے اس شہر میں پہلی مرتبہ اس قدر رات گئے باہر نکلنے کا موقع میسر آیا۔ ویسے اس مرتبہ جب میں یہاں آیا تو جنرل مشرف کا دورِ حکومت چل رہا تھا جنھوں نے میاں نواز شریف کا تختہ پلٹ کر عنانِ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا جو کہ پاکستانی سیاست کا خاصہ بن گیا ہے۔ فوج کے آنے سے وہ خوف کا ماحول نہیں رہا تھا جو پولس اور رینجرز کی موجودگی میں ہوا کرتا تھا۔ آپ تصور کیجئے کہ اس ملک کے لوگوں کیا حال ہوگا جہاں ہر شخص کی حفاظت کیلئے پولس اور فوج کا سہارا لیا جاتا ہو۔ یہاں اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، شادی ہالوں وغیرہ ہر جگہ پولس کی حفاظتی گاڑیاں کھڑی رہا کرتی تھیں۔ جو کہ جنرل مشرف کے دور میں بہت حد تک کم ہوگئی تھیں۔ اس لئے خوف وہراس کی وہ گھٹن کم ہوگئی تھی۔

شب برأت کی نسبت سے یہاں بھی ویسی ہی گہما گہمی تھی جیسی کہ اپنے شہر ممبئی میں رات بھر لوگ زیارتِ قبور، درگاہوں پر حاضری اور مساجد میں عبادات کیلئے مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہاں پر تو ہونا ہی چاہیے کہ یہ ملک ہی مسلمانوں کا ہے۔

ہم بذریعہ بس پی ای سی ایچ سوسائٹی پہنچے جہاں حضرت مسعودِ ملت کی رہائش گاہ ہے۔ ان کے مکان کے باہر ہی ایک بڑا شامیانہ لگا ہوا تھا۔ باہر ایک طرف کتابوں کا اسٹال نظر آیا۔ جہاں حضرت مسعودِ ملت کی کتابیں مل رہی تھیں۔ میں نے ایک نظر کتابوں پر ڈالی کہ کوئی نئی اور کام کی کتاب ہو تو خریدی جائے لیکن دیکھا کہ وہاں پر اکثریت حضرت مسعودِ ملت کی کتابوں کی تھی جن میں سے زیادہ تر میرے پاس موجود تھیں اور جو نہیں بھی تھی تو ان کے بارے میں یقین تھا کہ وہ حضرت مسعود ملت صاحب تھۂ

عنایت فرمادیں گے۔ پھر ہم شامیانے میں چلے گئے اور بیٹھ کر تقریر سننے لگے۔ اس پروگرام میں کراچی کے بڑے بڑے علماء و مشائخ کرام تشریف فرما تھے۔ جن کے ناموں سے تو واقفیت نہیں تھی البتہ حضرت مسعودِ ملت کے پروگرام میں شرکت کرنے والے عام لوگ نہیں ہوتے۔ ان میں سے میری صرف ایک ہی شخصیت سے جان پہچان ہوئی تھی۔ وہ تھے علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب ابن علامہ محمد شفیع اوکاڑوی صاحب۔ ہماری غائبانہ ملاقات کا سہرا حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کے سر جاتا ہے جو کہ اس حقیر سے بحد محبت کرتے ہیں۔ احقر نے جب "افکار رضا" کی گذشتہ روداد میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب کے مزار پر حاضری اور ان کے کارناموں کا مختصر تذکرہ کیا تو فاروقی صاحب نے وہ رسالہ ان کے صاحبزادے علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب کو بھیج دیا پھر علامہ موصوف نے مجھ سے براہ راست رابطہ قائم کرلیا۔ الحمد للہ ان کی تحریروں کے ذریعہ تو ان سے واقفیت تھی لیکن انھیں براہ راست دیکھنے اور سننے کا پہلی بار موقع مل رہا تھا۔ علامہ اوکاڑوی صاحب نے ایک حکایت بیان کی پھر اس میں تصوف کے رموز و نکات سمجھانے لگے اور آخر میں ولی کی تعریف بیان کی اور صاحبِ عرس کو خراج عقیدت پیش کیا۔ چونکہ انھیں فوراً گلزار حبیب مسجد کے پروگرام میں پہنچنا تھا جہاں کے وہ خطیب و امام تھے۔ اس لیے وہ جانے کیلئے باہر نکلے۔ میں بھی ان سے ملاقات کی غرض سے شامیانے سے باہر آگیا۔ علامہ اوکاڑوی صاحب بھی پہلے کتابوں کے اسٹال پر گئے، ایک نظر کتابوں پر ڈالی اور جانے کیلئے پلٹے ہی تھے کہ میں نے سلام و مصافحہ کرنے کے بعد اپنا تعارف کرایا۔ انھوں نے فوراً پہچان لیا اور ملاقات کی غرض سے آنے کی ہدایت کی اور اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی دیدیا۔

دیگر علماء کرام نے بھی صاحبِ عرس کے افکار، حیات اور کارناموں پر بڑی پُرمغز تقریریں کی۔ ہر تقریر کے بعد ایک نعت خواں کو نعت مبارکہ پڑھنے کا موقع دیا جاتا۔ میں نے دیکھا کہ یہاں کم سن بچے بھی بہت اچھی نعتیں پڑھا کرتے ہیں جیسے کہ یہاں پر ان کی باقاعدہ تربیت ہوتی ہو۔ یہ خصوصیت ہمارے ہند میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ یہ ضرور ہے کہ ہمارے یہاں بھی چھوٹے چھوٹے بچے نعتیں پڑھا کرتے ہیں مگر وہ لطف نہیں آتا جو یہاں کے نعت خوانوں میں پایا جاتا ہے۔ جب سے کراچی سے اویس قادری، مشتاق قادری نے آنا شروع کیا ہے ہمارے یہاں بھی نعت خوانی کے انداز میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ اب جاکر عوام الناس بھی بہتر انداز میں نعتیں پڑھنے کی کوششیں کرنے لگے ہیں۔

عرس کا اختتام دعا اور صلوٰۃ و سلام پر ہوا۔ میں بھی احباب سے ملنے کی غرض سے اسٹیج کے قریب

آگیا۔ وہاں عوام کی کثیر تعداد حضرت مسعود ملت سے ملنے کیلئے ٹوٹ پڑی تو مجبوراً انھیں گھر کی راہ لینے پڑی وہاں میری ملاقات ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب، مقصود حسین اویسی صاحب اور دیگر چند شناسا افراد سے ہوئی۔ مقصود صاحب نے میری ملاقات کراچی کے مشہور شاعر جناب خالد محمود صاحب سے کرائی جن کی ایک نعت کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کا ایک مصرعہ ہر کسی کے حرزِ جاں بنا ہوا ہے ۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

پھر وہاں لنگر تقسیم کیا جانے لگا۔ جس میں بہت پُر تکلف کھانوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ لنگر کے ساتھ ہی ایک کتاب "مناقبِ مظہری" بھی تقسیم کی جانے لگی جو کہ حضرت مسعود ملت کے یہاں کی محافل کا وطیرہ ہے۔...... پھر ہم وہاں سے فارغ ہو کر گگری گراؤنڈ کی جانب روانہ ہوگئے۔ یہاں پر ایک اچھی بات یہ ہے کہ دعوت اسلامی کا ہفتہ واری اجتماع ہو یا کوئی دیگر بڑا اجتماع، مختلف علاقوں کے لوگ شرکت کرنے کیلئے گاڑیوں کا انتظام کرتے ہیں اور اپنے علاقے کے افراد کو اجتماع گاہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہمیں بھی ایک بس گزرتے ہوئے نظر آئی تو ہم نے اشارہ کر کے بس رکوائی اور سوار ہوگئے۔

گگری گراؤنڈ پر دعوت اسلامی کا ہونے والا یہ اجتماع شب برأت کا سب سے بڑے اجتماع ہوتا ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق جس میں پانچ چھ لاکھ افراد شرکت کرتے ہیں۔ ایک دن قبل اخبار میں میں نے اس اجتماع کی تیاری کی تصاویر بھی دیکھی تھی۔ یہ اجتماع رات بھر جاری رہتا ہے۔ امیر دعوت اسلامی کے خصوصی بیان اور دعا پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔

یہاں پر عوام الناس کا ٹھاٹے مارتا ہوا قافلہ اجتماع گاہ کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ راستوں میں جگہ جگہ کتابوں، کیسٹوں اور کھانے پینے کے اسٹال لگے ہوئے تھے۔ چند ایک جگہوں پر مفت چائے بھی تقسیم کی جارہی تھی۔ ہم نے بھی تبرک حاصل کیا اور آگے بڑھ گئے۔ اصل گراؤنڈ میں تو تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں تھی ہم داخلی دروازے سے ہی اس منظر کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک کونے پر جگہ صاف کر کے بیٹھ گئے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ الجامعۃ الاشرفیہ، ہندوستان سے آئے ہوئے مولانا شمس الھدیٰ نے ابھی تقریر کی ہے۔ اور ان کے بعد مولانا محمد الیاس قادری صاحب کی تقریر شروع ہوگئی۔ مولانا کے رقت انگیز، سبق آموز اور عام فہم انداز بیان سے میں نے لاکھوں دلوں کی کایا پلٹتے دیکھی ہے۔

بیان کے بعد دعا کا آغاز ہوا اور ایک طویل دعا اور صلوٰۃ و سلام پر اجتماع کا اختتام ہوا۔ یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ کس طرح رات گزر گئی۔ فجر سے کافی پہلے ہی پروگرام ختم کر دیا گیا اس لئے کہ روزہ رکھنے والے

حضرات آسانی سے سحری کر سکیں۔ ہم ایک بس میں بیٹھ کر گھر روانہ ہو گئے۔

بدھ ۲۴ / نومبر ۹۹ء کو مجھے حیدر آباد کچھ کام سے جانا تھا جو کراچی سے دو گھنٹہ کے فاصلے پر ہے۔ میں صبح بہت جلد ہی روانہ ہو گیا تاکہ جلد جا کر واپس آیا جا سکے۔ حیدر آباد بہت پر سکون اور اچھا شہر ہے۔ پاکستان میں ۱۵ / شعبان المعظم کو شب برأت کی نسبت سے عام تعطیل ہوا کرتی ہے۔ میرا دن بھر حیدر آباد جانے اور آنے میں وقت صرف ہو گیا۔ اور دن کا اختتام ہوا۔

جمعرات ۲۵ / نومبر ۹۹ء آج میں نے مکتبۃ المدینہ، شہید مسجد کھارادر جانے کا پروگرام بنایا۔ وہاں سے تازہ کتب کا حصول اور چند لوگوں سے ملاقات مقصود تھی۔ مکتبۃ المدینہ پر پہنچا تو ایک دو کے علاوہ کوئی نئی کتاب نظر نہیں آئی۔ البتہ "مدنی گلدستہ۔ ۲" نامی کمپیوٹر سی ڈی حاصل ہوئی۔ یہ سی ڈی جدید دور کی نئی دریافت ہے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ اس ایک سی ڈی میں دو سو سے زائد نعتیں، مولانا الیاس قادری صاحب کے مختلف موضوعات پر ۴۰ بیانات، پنج سورہ کی تلاوت اور دعاؤں کا مجموعہ سب موجود ہیں۔ مکتبۃ المدینہ کے بغل میں ہی ضیاء الدین پبلی کیشنز (برکاتی پبلشرس) کی دکان ہے۔ جہاں پر بے شمار نئی کتابیں موجود تھیں۔ میں نے ان میں سے اپنے کام کی کتابیں چن لیں۔

مجھے کھارادر پر ہی واقع جمعیت اشاعت اہلسنت والوں سے بھی ملنا تھا جن کیلئے جناب سعید نوری صاحب نے ممبئی سے کچھ خطوط اور کلینڈر وغیرہ بھجوائے تھے۔ ان کا پتہ تو ان کی شائع کردہ کتابوں میں نور مسجد، کاغذی بازار، کھارادر کراچی' چھپا ہوتا ہے مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جمعیت کے کرتا دھرتا جناب سید اللہ رکھا باپو صاحب ہیں جن کی پیتھالوجی لیبوریٹری تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع ہے۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد میں سید اللہ رکھا صاحب کے سامنے پہنچ گیا۔ احقر نے جب اپنا تعارف کرایا تو انھوں نے امام احمد رضا پر کام کے حوالہ سے بہت اپنائیت کا مظاہرہ کیا۔ مزید میں نے جب رضا اکیڈمی والوں کا ہدیۂ سلام و تحفے پیش کیے تو موصوف نے کافی خوشی کا اظہار کیا۔ مجھے زبردستی روک کر کھانا بھی منگوا لیا۔ اسی دوران گفتگو بھی ہوتی رہی۔

جمعیت اشاعت اہلسنت کی بنیاد کب رکھی گئی اتنا تو میں دریافت کر نہ سکا البتہ یہ ادارہ گزشتہ بیس پچیس سال سے سرگرمِ عمل ہے۔ ان کے ہفتہ واری پروگرام نور مسجد میں ہوتے رہتے ہیں۔ اس ادارہ کا سب سے اہم کام اہلسنت و جماعت کے لٹریچر کی ترویج و اشاعت ہے۔ یہ ادارہ علمائے اہلسنت کی وہ تصانیف جو عوام الناس کیلئے مفید اور ضروری ہوتی ہیں' شائع کر کے مفت تقسیم کرتا ہے۔ اب تک اس

ادارہ کے تحت مختلف عنوانات پر مشتمل، مختلف مصنفین کی ایک لاکھ سے زائد کتابیں شائع ہو کر تقسیم ہو چکی ہیں۔ ان میں سے کئی کتابوں کے تو کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ سید صاحب نے مجھے بتایا کہ جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان میں یوم رضا کی سالانہ تقریب کو بہت بڑے پیمانے پر منعقد کرتی ہے۔ اور وقتاً فوقتاً بد مذہبوں کے اہلسنت پر کیے گیے اعتراضات کے جوابات بھی کتابوں، ہمفلٹس یا اسٹرس کی صورت میں شائع کر کے عوام الناس میں بیداری پیدا کرنے کا کام کرتی ہے۔

سید اللہ رکھا صاحب سے مسلکِ اہلسنت کی ترویج و اشاعت سے متعلق کافی باتیں ہوئیں۔ میں نے جب ان سے کہا کہ ماشاء اللہ لٹریچر کی سطح پر تو پاکستان میں بہت اچھا اور بہت تیز کام ہو رہا ہے۔ مزید یہ کہ دعوت اسلامی، سنی تحریک وغیرہ بھی عوامی سطح پر کافی کام کر رہی ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ اب بھی جو کچھ کام ہو رہا ہے وہ پہلے کے مقابلے میں بہتر ضرور ہے مگر ہم اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ ہم اپنی غفلت کی وجہ سے کافی پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پاکستان بنا تو اس وقت ہر طرف اپنوں کا ہی غلبہ تھا للہذا اہلسنت کی ترویج و اشاعت کی طرف بالکل توجہ نہیں دی گئی کہ سب ہی تو سنی ہیں پھر کس کو تبلیغ کی جائے۔ دوسرے اس وقت سب کی توجہ نئی زمین پر سنبھلنے اور قدم جمانے میں لگی ہوئی تھی۔ ان حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بد مذاہب نے خوب کام کیا اور اپنے قدم جمالئے، سنیوں کو بیدار ہوتے ہوتے بہت عرصہ لگ گیا۔

۱۹۸۰ء کے بعد سے صحیح معنوں میں سنیوں میں بیدار کی لہر اٹھی۔ اور سنیت کا درد رکھنے والے علماء و مشائخ نیز چند شخصیتوں نے مختلف پلیٹ فارم سے کام کا آغاز کیا۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں اچھا خاصا کام کر لیا۔ آج الحمد للہ دعوت اسلامی کا سالانہ اجتماع پاکستان کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں تبلیغی جماعت کے اجتماع سے بھی زیادہ عوام شرکت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ لٹریچر کی سطح پر بہت سی سنی تنظیمیں میدانِ عمل میں آئی ہیں اور انھوں نے بھی بہت تیزی کے ساتھ بہترین لٹریچر عام کیا۔...... لیکن ان سب کے باوجود ہم مطمئن نہیں ہیں کہ ہم نے بہت کام کر لیا ہے۔...... نہیں بلکہ ابھی تو ہمارے کام کا آغاز ہوا ہے اور ہمیں مستحکم ہونے میں اور وقت درکار ہے۔

مجھے اللہ رکھا بابو صاحب سے مل کر بہت خوشی ہوئی جنھوں نے پاکستان میں سنیوں کے حالات پر بہت اچھی طرح سے روشنی ڈالی اور اپنی کامیابیوں کے ساتھ کمیوں اور کوتاہیوں کو بھی اجاگر کیا۔

میں رخصت ہونے لگا تو انھوں نے مجھے اگلی ملاقات میں جمعیت کی کتابیں دینے کا وعدہ کیا۔

باقی آئندہ...... انشاء اللہ

بنگلہ دیش میں سُنّیت

از: علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی۔ کراچی۔ پاکستان

اس وقت امارات ایئر لائنز کے طیارے میں ڈھاکہ سے کراچی کا مسافر ہوں اور تین گھنٹے کی اس پرواز میں آپ اور آپ کے ذریعے آپ کے جریدے کے قارئین سے مخاطب ہوں۔ ایک ماہ قبل دعوت اسلامی چاٹ گام کے نگراں ایوب غنی قادری صاحب نے مجھے فون کیا تھا اور بنگلہ دیش میں منعقد ہونے والی "سنی کانفرنس" میں خصوصی خطاب کی دعوت دی تھی۔

وہ مصر تھے کہ اس سال شب معراج بھی وہاں مناؤں...... رابطے کا تسلسل رہا۔ بالآخر علی الصبح کراچی سے روانہ ہوا اور براستہ ڈھاکہ یہ فقیر چاٹگام پہنچا۔ ڈھاکہ سے چاٹگام کا سفر "جی۔ ایم جی" ایئر لائن پر ہوا جس کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ "غلام مصطفیٰ گیلانی" نام کے ابتدائی حروف ہیں اور یہی اس ادارے کے مالک کا نام ہے۔ اور اس نام کی برکت سے یہ ایئر لائن بہت کامیاب ہے۔ چاٹگام کے ہوائی اڈے پر قاضی سید ابو البیان ہاشمی اور مولانا محمد ابو القاسم نوری صاحب استقبال کو موجود تھے۔ سید ابو البیان ہاشمی حضرت علامہ قاضی سید نور الاسلام ہاشمی کے فرزند اور ان کے مدرسہ احسن العلوم، جامعہ غوثیہ، کل گاؤں، چاٹگام کے پرنسپل ہیں۔

حضرت علامہ قاضی سید محمد نور الاسلام ہاشمی ہی نے ایوب غنی قادری کو مجھے بلانے کے لیے فرمایا تھا۔ یعنی وہی محرک تھے۔ انہیں بنگلہ دیش میں "امام اہل سنت" مانا جاتا ہے۔ آپ کی عمر شریف ۷۰ (ستر) برس سے تجاوز کر چکی ہے مگر دینی تبلیغی مشاغل میں کمی نہیں آئی، یہ وہاں اہل سنت کی مرکزی شخصیت ہیں اور وہاں کے اکثر سنی علماء کے استاد بھی یہی ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی حضرت مفتی قاضی سید محمد امین الاسلام ہاشمی ہیں۔ ان کے مجھلے بھائی بھی عالم دین تھے۔ وہ وفات پا چکے ہیں اور اپنے والد محترم حضرت ابو الاحسان کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔ حضرت علامہ نور الاسلام ہاشمی کے دس فرزند ہیں۔ بڑے دو فرزند درس نظامی و دورۂ حدیث کی تکمیل کر چکے ہیں۔ باقی فرزندان میں سے دو زیر تعلیم ہیں۔ چھوٹے فرزند سید شرف الدین خوش الحان نعت خواں ہیں۔ علامہ مفتی امین الاسلام کے بڑے فرزند صادق الرحمٰن فارغ التحصیل ہیں اور چلہ گاہ حضرت سید ناطیفور بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے ملحق مسجد میں خطابت کرتے ہیں۔ دوسرے فرزند شاہد الرحمٰن دورۂ حدیث کی تکمیل کر رہے ہیں۔ تیسرے

فرزند سید عاشق الرحمٰن شعر و ادب سے بھی خوب وابستہ ہیں۔ ان کے داماد محمد انیس الزماں بھی عالم ہیں۔ میرے والد گرامی خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمہ کی کتاب "شامِ کربلا" کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ احسن العلوم میں مولانا سلیم الدین حیدر، مولانا عبدالمالک شاہ اور مولانا محمد ابوالقاسم نوری شعبۂ حدیث کے استاد ہیں۔ راسخ العقیدہ سنی اور شعلہ بیان مقرر بھی ہیں۔ امام اہل سنت غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد کاظمی علیہ الرحمہ کے خدمت گزار سید نور صاحب جنہیں علامہ کاظمی پیار سے "قطب بنگال" کہتے تھے، وہ بھی اسی مدرسہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انہیں وہاں "بنگالی شاہ" کہا جاتا ہے۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب فیصل آباد کے تلمیذ رشید حضرت مولانا مفتی محمد ادریس صاحب رضوی بھی چاٹگام کے معمر عالم اہل سنت ہیں۔ انہوں نے بریلی شریف میں علوم دینیہ حاصل کیے۔ انہی کی تحریک پر حضرت مولانا مفتی محمد وقار الدین پیلی بھیتی بھی چاٹگام گئے اور برسوں وہاں خدمت کی۔ یہ جس ادارے کے بانی اور مہتمم ہیں اس کا نام "المدرستہ الرضویۃ الاسلامیہ" سرندیف ہے۔ اس مدرسہ کے سفیر مولانا محمد زکریا صاحب ہر سال پاکستان آتے ہیں۔ امامِ اہل سنت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کے شاگرد حضرت مولانا محمد عزیز القادری بھی چاٹگام کے علاقہ ہاٹ ہزاری میں قیام پذیر ہیں۔

مجھے بتایا گیا تھا کہ ان کے مدرسہ کی لائبریری میں سب سے زیادہ کتابیں ہیں۔ یہ دو مدرسوں کے منتظم ہیں۔ حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین صاحب جس مدرسہ میں رہے اس کا نام "جامعہ احمدیہ سنیۃ عالیہ" ہے۔ جو چاہد گاؤں، چاٹ گام میں رہے اور بڑا مدرسہ شمار ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبیدالحق نعیمی اس کے محدث و مفتی ہیں جبکہ حضرت مولانا محمد جلال الدین القادری اس کے پرنسپل ہیں۔ اس مدرسہ کے باقی اساتذہ کے نام یہ ہیں: الحاج مولانا صغیر عثمانی (وائس پرنسپل)، مولانا قاضی محمد عبدالواجد (فقیہ)، مولانا محمد سلیمان انصاری (محدث)، مولانا محمد وصی الرحمٰن (محدث)۔ اس مدرسہ کی عمارت بھی بڑی ہے اور طلبہ بڑی تعداد میں وہاں ہیں۔ اس کے علاوہ "ضیاء العلوم مدرسہ" ہے جس کے پرنسپل مولانا سید محمد فرید الدین ہیں اور ان کے معاون مولانا سید نور الامین ہیں۔ "مدرسہ سبحانیہ عالیہ" کے مہتمم حضرت مولانا محمد مصلح الدین صاحب ہیں۔

"عزیزیہ رضویہ مدرسہ" کے مہتمم مولانا نور الاسلام صاحب ہیں۔ "شاریہ عالیہ مدرسہ" کے مہتمم حضرت مولانا سخاوت صاحب ہیں۔ "گوہیرہ عالیہ مدرسہ" کے شیخ الحدیث الحاج مولانا محمد ابراہیم

صاحب نوری ہیں۔ اس کے علاوہ "روزن دار الاسلام سینئر مدرسہ" ہے۔ جمعیت الفلاح بڑی مسجد ہے۔ رسول کریم ﷺ کے قدم مبارک کی نسبت سے مشہور مسجد ہی قدمِ مبارک کہلاتی ہے۔ دینی مدارس کو وہاں کی حکومت کی کسی حد تک سرپرستی حاصل ہے۔ ہر پرنسپل کو پچھتر فیصد تنخواہ حکومت کی طرف سے ملتی ہے۔ سرکاری تعلیمی بورڈ کی طرف سے نصاب تجویز کیا جاتا ہے۔ حکومت کے نمائندے مدارس کی تعلیمی کارکردگی اور دیگر امور کی نگرانی کرتے ہیں اور بعض اوقات بے جا سختی کے بھی روادار ہوتے ہیں۔ مدرسین کو قابلیت واہلیت کی بنیاد پر مقرر و مامور کیا جاتا ہے اور مجھے خوشی ہوئی کہ اکثر بنگالی علماء فصیح لہجہ میں عربی روانی سے بولتے ہیں۔ حضرت علامہ سید نور الاسلام ہاشمی ایک شام مجھے چاند گاؤں اپنے چچا محترم سے ملانے لے گئے۔ چاند گاؤں میں عمارت کے مرکزی دروازے پر بنگلہ زبان کے علاوہ عربی میں یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اور یا حبیب اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کی خطاطی ہے۔ مسجد کا نام "مسجد سیدنا غوث اعظم" (رضی اللہ عنہ) ہے۔ حضرت پیر سید عبد الباری شاہ صاحب زندگی کی آٹھ دہائیاں پوری کر چکے ہیں۔ نفاست اور نظافت کے ساتھ ساتھ لطافت کا مرقع ہیں۔ خانقاہ میں بھی چھوٹی سی مسجد حضرت سیدنا خواجہ غریب نواز کے نام سے تعمیر کی ہے جو اس خطے میں خوش نما اور عمدہ عمارت ہے اور اس کے فرش میں وہی نہایت سفید پتھر استعمال ہوا ہے جو حرمین شریفین کے فرش میں لگا ہوا ہے۔ یہ یونان کا سفید ماربل ساسوس کہلاتا ہے۔ حضرت نے مجھ گناہ گار کی مثالی پذیرائی فرمائی۔ علمائے اہل سنت اور مسلک حق کے لیے ان کی سرپرستی اور معاونت کے تذکرے وہاں کے علماء واحباب سے سن چکا تھا۔ حضرت نے بتایا کہ وہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کے مداح اور دوست رہے ہیں۔ ان سے اپنی ملاقاتوں کا تذکرہ فرماتے رہے۔ وہ بہت بڑے پیمانے پر ہر سال سالانہ محفل عید میلاد النبی (ﷺ) کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ڈیڑھ سو سے زائد بیل ذبح ہوتے ہیں جن کے گوشت کی بریانی تیاری ہوتی ہے۔ اتنی بڑی دعوت شاید ہی بنگلہ دیش کے کسی شہر میں ہوتی ہوگی۔ ان کا اصرار تھا کہ ایک مرتبہ میں اس محفل میں شرکت کروں۔ ان کے فرزند مولانا سید شمس الضحیٰ نہایت مقبول مقرر بھی ہیں اور خانقاہ میں آنے والے زائرین وغیرہ کو وہی دیکھتے ملتے ہیں۔ حضرت نے اپنے پوتوں سے بھی ملوایا۔ بتایا گیا کہ پچاس سے زائد مرتبہ وہ حرمین شریفین کا سفر کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۰ء تک پاکستان بھی تشریف لاتے رہے۔ عمائدینِ حکومت اور سیاسی افراد بھی حضرت کے عقیدت مند ہیں۔ میلاد شریف کی محفل میں ختم قرآن کے ساتھ ختم بخاری شریف بھی ہوتا ہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی بدایونی

گجراتی علیہ الرحمہ سے بھی حضرت کی دوستی رہی ہے۔ زیادہ دیر بات کرنے سے انہیں طبیبوں نے منع کیا ہے۔ مگر یہ بات انہوں نے مجھے بہت دیر سے بتائی، جب وہ ڈاکٹروں کے انتباہ کے باوجود مجھ سے بہت سی باتیں کر چکے تھے۔ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے انہیں اپنی ٹوپی مبارک دی تھی جسے وہ خلافت تصور فرماتے ہیں اور بڑی عزت سے اس ٹوپی کو تبرکات میں محفوظ کر رکھا ہے۔ حضرت کی (غالباً) پوتی مولانا سید ابوالبیان ہاشمی سے بیاہی ہیں...... مولانا ابوالبیان سے میں نے "شیر بنگال" کے مرقد مبارک پر فاتحہ خوانی کے لئے جانے کی تمنا ظاہر کی۔ بنگلہ دیش کو وہاں کے باشندے "ہڑتالوں کا ملک" کہنے لگے ہیں۔ ہر چوتھے روز ہڑتال ہوتی ہے اور مکمل ہوتی ہے۔ ہڑتال میں شام چھ بجے تک پہیا جام رہتا ہے اور بازار بالکل بند۔ مغرب کے بعد ہم ہاٹ ہزاری کے علاقے پہنچے۔ شیر بنگال حضرت علامہ الحاج غازی سید محمد عزیز الحق کا نام وہاں زبانِ زد عام ہے۔ اہل سنت وجماعت کے وہ مقتدا و پیشوا جن پر مسلک حق اور اہلِ حق کو فخر ہے۔ وہ حق گوئی اور جرات کے پیکر تھے۔ للّٰہیت اور اخلاص ان کی گفتار و کردار کا خاصہ تھا۔ ان کا فارسی منظوم کلام "دیوانِ عزیز" دنیا بھر کے منتخب اولیاء کرام بالخصوص بنگلہ دیش میں مدفون اولیاء کرام، اہل سنت کے عقائد اور علماء و مشائخ اہل سنت کی تہنیت کے تذکار کا مرقع ہے۔ یہاں تک مجھے بتایا گیا کہ جن بنگلہ دیشی اولیاء کرام کا اس میں تذکرہ نہیں لوگ انہیں مانتے ہی نہیں۔ اس "دیوانِ عزیز" میں حضرت علامہ کاظمی، حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی، میرے والد گرامی مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، حضرت مولانا عارف اللہ شاہ قادری، حضرت مولانا عبدالسلام باندوی، مولانا سید حسین الدین ہاشمی، علامہ مفتی وقار الدین اور مولانا شاہ احمد نورانی کی مدح میں بھی اشعار ہیں۔

شیر بنگالہ کے بارے میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب ابوالاعلیٰ مودودی چاٹگام گئے تو ان کے خطاب کے لئے اجتماع ہوا۔ شیر بنگالہ اس اجتماع میں پہنچ گئے اور مخالفین کے ہجوم میں مودودی سے کہا کہ وہ اپنے خطاب سے قبل چند سوالوں کے جواب دیں۔ شیر بنگالہ کا دبدبہ تھا کہ کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ انہیں روک سکے۔ مودودی صاحب سوالوں سے گھبرا گئے اور کہا کہ وہ ان کا جواب ڈھاکہ پہنچ کر بھجوا دیں گے تو شیر بنگالہ نے ہجوم میں برملا کہا کہ آپ اپنا علم ڈھاکہ چھوڑ آئے ہیں؟ مودودی اپنی مسند سے اٹھ کر چلا گیا اور شیر بنگالہ کو کوئی جواب نہ دے سکا۔

شیر بنگالہ وہ ہستی تھے کہ وہابیوں نے ان پر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا۔ آٹھ شدید زخم آئے۔ حضرت بے ہوش ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے ہسپتال میں ان کی موت کی تصدیق کر دی۔ اہل خانہ انہیں گھر لے آئے اور تجہیز و تکفین کے انتظام میں مشغول ہو گئے۔ ۴۸ گھنٹے ہو چکے تھے زخمی ہوئے کہ اچانک حضرت نے

آنکھیں کھول دیں۔

کچھ لمحے بعد فرمایا کہ خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا و سلام اللہ علیہا نے ان کے لئے سفارش فرمائی تھی اس لئے انہیں گویا پھر زندگی عطا ہوئی ہے۔ یہ وہ شیر بنگالہ ہیں کہ مزارات کے آداب اور تقدس کے لئے انہوں نے بہت خدمات انجام دیں۔ میرے والد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ علماء کرام نے مجھے متعدد واقعات سنائے۔ مزار شریف پر میں حاضر ہوا۔ ان کے فرزند و سجادہ نشین سے ملاقات کی۔ وہ مزار شریف کے احاطے میں ایک خستہ سے مکان میں رہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے والد حضرت شیر بنگالہ نے اپنا ذاتی کوئی مکان نہیں بنایا تھا۔ نہایت کسمپرسی میں انہوں نے زندگی بسر کی تھی۔ اپنی اولاد کی لازمی ضروریات کے سوا باقی تمام رقم مسلک حق کے لئے خرچ کرتے تھے۔ ان کا کفن عقیدت مند مریدوں نے دیا تھا۔ اس درویش شیر بنگالہ کے لئے وہاں کے اہل سنت آج بھی سراپا عقیدت ہیں۔ اسی علاقے میں حضرت مولانا محمد عزیز الحق قادری سے ملنے گیا۔ یہ حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ نہایت محبت سے ملے۔ بنگلہ دیش میں میری آمد کو وہاں کے اہل سنت کے لئے نئی زندگی قرار دیتے ہیں۔ وہ مولانا سید شاہ تراب الحق صاحب قادری اور مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی سے اپنی ملاقاتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش کے علمائے اہل سنت میں رابطہ اور تعاون بہت ضروری ہے۔ وہ ان مذکورہ علماء سے یہی مدعا بیان کر چکے تھے مگر کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ ہونے کے شاکی تھے۔ "ضیاء العلوم مدرسہ" میں مولانا سید نور الامین نے استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ مولانا محمد ابو القاسم نوری میرے ہمراہ تھے۔ وہاں کے پرنسپل مولانا سید محمد فرالدین نے بتایا کہ اس مدرسہ میں صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی تشریف لا چکے ہیں۔ حضرت علامہ ارشد القادری اور حضرت مولانا ثناء المصطفیٰ اعظمی بھی چاٹگام آئے۔ حضرت پیر سید ہاشم یوسف الرفاعی وزیر اوقاف کویت بھی کچھ عرصہ قبل وہاں تشریف لے گئے تھے۔ نوجوان مولانا محمد بدیع العالم رضوی، مولانا محمد عبد اللہ مجھے ملنے آئے۔ پرجوش اور مستعد ان دونوں نوجوانوں نے "رضا اسلامک اکیڈمی" کی کارگزاری کی مختصر روداد سنائی۔ "بہار شریعت" کا بنگلہ زبان میں ترجمہ ہونے کی نوید سنائی۔

میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کی پانچ تصانیف کے بنگلہ تراجم کی خبر دی۔ وہ "کنز الایمان" کا بنگالی میں ترجمہ مجھے دکھانے لائے۔ وہ بہت سی کتب کے تراجم کا عزم رکھتے ہیں۔ انہیں شکوہ تھا کہ 'ادارہ

تحقیقات امام احمد رضا کراچی" کی طرف سے انہیں کوئی پذیرائی نہیں ملی تھی۔ وہ دو برس سے "یوم رضا" مناتے ہیں۔ ان کا اصرار تھا کہ میں اس میں ایک مرتبہ شرکت کروں۔ اس فقیر نے یہی عرض کی کہ جو رقم وہ مجھے بلانے پر خرچ کرنا چاہتے ہیں اس رقم سے کوئی مفید کتاب شائع کر کے آئندہ نسلوں کو فائدہ پہنچائیں۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب کے والد محترم نے "رضا اسلامک اکیڈمی" کی مطبوعات کے لئے اب تک مالی امداد فراہم کی تھی۔ "بنگلہ دیش اسلامی چترا سینا" کے صدر اور سیکریٹری جناب محمود مصطفیٰ جیلانی اور محمد علی فاروقی مجھے ملنے آئے۔ یہ انجمن طلباء اسلام کی طرح سنی نوجوانوں کی تنظیم ہے جس کے دو لاکھ رکن ہیں۔ اس کے بانی حضرت علامہ سید محمد نور الاسلام ہاشمی ہیں۔ یہ نوجوان اردو بولنا نہیں جانتے تھے اس لئے انگریزی میں گفتگو کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی بنگالی مطبوعات دکھائیں۔ ان سب افراد سے ڈاک کے پتے میں نے لکھوائے تاکہ یہاں کے جرائد میں ان کی اشاعت ہو جائے اور ان سب کو یہاں سے مطبوعات بھیجی جائیں اور یوں دونوں ممالک کے اہل سنت علمائے کرام اور سنی تنظیموں میں رابطے ہو سکیں۔ جماعت اہل سنت وہاں بھی میرے والد محترم نے قائم کی تھی مگر وہ اب فعال نہیں کیونکہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد کچھ سنی علماء نے اپنی الگ نمائندگی کیلئے دیگر تنظیمیں قائم کر لی ہیں۔ علامہ ہاشمی اسے پھر فعال دیکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ وہاں کے علماء و عوام کو آج بھی یاد ہیں۔ علماء کرام انہی کے طرز خطابت کو اپنائے ہوئے ہیں انہی کی طرز میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا کلام پڑھتے ہیں اور ۱۹۶۳ء میں سنائی ہوئی نبی کی لوری آج بھی بنگلہ دیش میں سب سے مقبول نعت ہے۔ ۴، نومبر ۱۹۹۹ء کو چاٹگام کے امن بازار میں منعقدہ سنی کانفرس کے اجتماع کے لئے لوگوں کا یہی کہنا تھا کہ چاٹگام میں اتنا بڑا اجتماع بنگلہ دیش بننے کے بعد کسی تقریر کی سماعت کے لئے نہیں ہوا۔ رات کے ۲ بجے میری تقریر شروع ہوئی اور ہجوم تقریر کے آخر تک برقرار رہا ہے۔ رکن اسمبلی جناب وحید عالم بھی شریک جلسہ تھے۔ اسٹیج پر پچاس سے زائد علماء کرام تھے۔ جمعہ کی نماز ۵، نومبر کو میں نے علامہ ہاشمی کے بزرگوں کی بنائی ہوئی تاریخی مسجد میں ادا کی جہاں مسجد کے اطراف اور باہر سڑک تک ہجوم دیدنی تھا۔ بحمدہ تعالیٰ میرا یہ مختصر سفر نہایت کامیاب رہا اور خوشی ہوئی کہ علماء اہل سنت تنظیموں اور احباب سے رابطہ ہوا۔ امید ہے کہ مستقبل میں یہ رابطے تمام علماء اہل سنت اور سنی اداروں میں بڑھیں گے اور فصلِ محبت پروان چڑھے گی۔ OOOO

(بشکریہ ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور)

محمد زبیر قادری کی روداد پاکستان ۔ تاثرات

از قلم : غلام غوث قادری (فاضل ۔ ایم. اے) رانچی

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

سفر کرنا انسان کی ضرورت بھی ہے اور معلومات حاصل کرنے کا ایک بہتر وسیلہ بھی۔ عربی کا ایک مقولہ ہے۔ السفر وسیلۃ الظفر، یعنی سفر کو کامیابی کا وسیلہ بتایا گیا ہے۔ اسی سفر کے وسیلے سے کولمبس نے امریکہ کا پتہ لگایا۔ زمانہ قدیم سے ہی یہ دستور رہا ہے کہ سیاحوں نے جو مختلف خطوں، شہروں، ملکوں اور بر اعظموں کا سفر کیا تھا اور اس موقع پر جو نئی نئی باتیں اور تجربات حاصل کئے تھے انھیں قلمبند کرنا ضروری سمجھا۔ ہندوستان میں سولہویں صدی میں سفر نامے اور سفری یادداشتیں ترتیب دینے کی تاریخ ملتی ہے۔ مسلمان سیاحوں کے سفر ناموں میں البیرونی کی "کتاب الہند" ابن بطوطہ کا "عجائب الاسفار" محمد دین ولی کا "بحر الاسرار" خواجہ عبدالکریم کا سفر نامہ "بیان واقع" ہندوستان کی تہذیب و تمدن، آب و ہوا، طرز رہائش، سیاسی حالات و واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ انیسویں صدی کے اوائل میں سفر نامہ کو صنف کی حیثیت سے کافی فروغ حاصل ہوا اور بہت سے سفر نامہ لکھے گئے جو کافی دلچسپ اور اہمیت کے حامل ہیں۔ ان سفر ناموں کا تعلق زیادہ تر انگلستان، یورپ اور بلادِ اسلامیہ حجاز مقدس سے تھا۔ ادھر پچاس ساٹھ برسوں سے اس صنف نے خاصی ترقی کی ہے اور اس کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ روزنامچے، رسالے، اور یادداشتوں کو بھی محفوظ کیا جانے لگا۔ بیسویں صدی میں جن سفر ناموں کو کافی شہرت عطا ہوئی ان میں سید سلیمان ندوی اور شبلی نعمانی کے سفر نامے دیکھنے کو ملے۔ موجودہ دور میں سفر نامے لکھنے کی ایک روایت چل پڑی ہے۔ اہل سنت و جماعت کے ایک فعال، مخلص اور صاحبِ قلم شخصیت محمد زبیر قادری ایڈیٹر "سہ ماہی افکار رضا ممبئی" سے ہر سنی واقف ہے آپ نے حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز کے افکار و نظریات، ان کے مشن اور پیغامات کو گھر گھر پہنچانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ اس سلسلے میں سہ ماہی "افکار رضا" ممبئی کے توسط سے مسلک اعلیٰحضرت کی تبلیغ کا کام انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے اپنے مشن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پاکستان کا بھی سفر کیا جس کی روداد پانچ قسطوں میں "افکار رضا" میں شائع کیا ہے۔ یہ روداد کیا ہے ایک سفر نامہ ہے جس کے مطالعہ سے پاکستان میں سنیت کے استحکام، وہاں کے لوگوں کا بریلوی مزاج، وہاں کے اشاعتی ادارے، مختلف علمی مراکز اور مسلک اعلیٰ حضرت سے وابستہ اہم

شخصیتوں سے ہم متعارف ہو جاتے ہیں۔ اس روداد سے اگر ایک طرف ہمیں سیر و تفریح کا لطف حاصل ہوتا ہے تو دوسری طرف پاکستان کی سنی دنیا، وہاں کے سیاسی نشیب و فراز اور دیگر کوائف سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے۔ محمد زبیر قادری صاحب کا یہ سفر نامہ ۱۴ جولائی ۱۹۹۸ء سے ۲ اگست ۱۹۹۸ء تک پاکستان میں قیام اور مختلف شہروں کی سیر پر محیط ہے۔ کراچی کی شہری زندگی، غیر یقینی حالات، شیعہ، سنی فسادات، مذہبی، سیاسی، لسانی، علاقائی، دنگے، ذرائع ابلاغ کی غیر ذمہ دارانہ رویہ کی پوری تصویر اس روداد کو پڑھنے کے بعد آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ محترم محمد زبیر قادری نے میڈیا کے سلسلے میں جس تاسف کا اظہار کیا ہے، انھیں کی زبانی ملاحظہ ہو۔

"پوری دنیا کے میڈیا (ذرائع ابلاغ) پر باطل طاغوتی طاقتوں کا قبضہ ہے۔ یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ ہم دنیا بھر میں اتنی بڑی تعداد میں اور کثیر سرمایہ رکھنے کے باوجود اپنا ذاتی میڈیا (ذرائع ابلاغ) نہیں رکھتے۔ ہمیں بوسنیا، فلسطین، چیچنیا، الجزائر، افغانستان، عراق وغیرہ میں مرنے والے مسلمانوں کی اطلاع بھی یہود و عیسائی ذرائع ابلاغ سے ملتی ہے۔ آج کی دنیا کا سب سے مہلک ہتھیار میڈیا ہے۔"

(افکار رضا، سہ ماہی صفحہ ۶۳ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء)

فاضل قلمکار کا یہ مشاہدہ مسلم دنیا کو دعوت فکر دیتا ہے کہ اس جہت سے بھی سوچے۔ محترم محمد زبیر قادری صاحب نے جہاں کراچی شہر کی گہما گہمی کا نقشہ کھینچا ہے قارئین کو اس کا مژدہ سنایا ہے کہ کراچی میں عید میلاد النبی ﷺ کا جشن کس تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ فاضل قلمکار رقمطراز ہیں:

"یہاں میری آمد عید میلاد النبی ﷺ (۷ جولائی ۱۹۹۸ء) کے ٹھیک ایک ہفتہ بعد ہوئی تھی اس لئے ابھی تک کراچی شہر میں جشن آمد رسول ﷺ کی سجاوٹ برقرار تھی سڑکوں، گلیوں اور چوراہوں پر نقش نعل مبارک سے مزین سبز جھنڈیاں اور بڑے بڑے سبز پرچم لہرا رہے تھے جگہ جگہ رنگین قمقمے بھی جگمگا رہے تھے میں سوچا کہ ابھی یہ کیفیت ہے تو عید میلاد النبی ﷺ کے دن کا کیا عالم ہوگا؟۔"

(سہ ماہی "افکار رضا" ممبئی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء)

اس منظر کو دیکھ کر انھوں نے محسوس کر لیا کہ پاکستان مکمل طور پر سے سنی اسٹیٹ ہے۔ ان کے اس خیال کو تقویت اور زیادہ اُس وقت ملتی ہے جب موصوف کراچی کے ریگل چوک پر واقع "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا" کے دفتر کا معائنہ کرتے ہیں۔ جہاں مسلک اعلیٰ حضرت اور ان کے افکار و نظریات کی تبلیغ کے لئے اشاعت کا کام زوروں پر ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں:۔

"بحمدہ تعالیٰ "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا" امام اہل سنت کے مسلک اور افکار و نظریات کی اشاعت بڑے ہی منظم طریقہ پر کر رہا ہے۔ یہ ادارہ امام احمد رضا کی غیر مطبوعہ اور نایاب کتابوں کو بڑے ہی حسین اور دیدہ زیب انداز میں مختلف زبانوں میں مسلسل شائع کر رہا ہے۔"

(سہ ماہی "افکار رضا" ممبئی صفحہ ۷۰ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء)

موصوف آگے چل کر اس ادارہ سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار اتنے رجائی پیرائے میں کرتے ہیں کہ پڑھ کر طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔ رقم طراز ہیں۔

"ہر سال ادارہ کی جانب سے کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں ملک و بیرون ملک کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء، مشائخ، پروفیسرز، ڈاکٹرز محققین، مفکرین، دانشوران اعلیٰ عہدہ داران اور وزراء وغیرہ کو مدعو کر کے ان سے امام احمد رضا کے افکار و نظریات پر مقالات پڑھائے جاتے ہیں، تاثرات لئے جاتے ہیں اور پھر انھیں "مجلہ امام احمد رضا کانفرنس" میں شائع کیا جاتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے ادارہ نے امام احمد رضا پر پی. ایچ. ڈی کرنے والوں کو گولڈ میڈل اور سلور میڈل ایوارڈ دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد امام احمد رضا پر تحقیق کر کے ان کی شخصیت پر پڑے پردے اور لگائے گئے الزامات کو ہٹا کر صحیح تعارف پیش کر سکیں۔"

(سہ ماہی "افکار رضا" صفحہ ۷۰ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء)

محترم زبیر قادری صاحب کی اس روداد کے مطالعہ کے بعد جہاں ادارہ کے تمام کوائف اور حالات و کارکردگی سے حسن و خوبی واقفیت ہو جاتی ہے وہیں صاحبِ دل مومن کا قلب مضطرب ہو جاتا ہے کہ کاش اسی نوعیت کی کارکردگی ہند میں ہوتی!

'روداد پاکستان' کی دوسری قسط جو جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبیر قادری صاحب نے اپنے قیام کے دوران پاکستان کے رسم و رواج کھانے پینے کے آداب، دفتری مشاغل، لوگوں کے اخلاق و اخلاص کا نقشہ ایک مصور کی طرح کھینچا ہے جس کو پڑھنے کے بعد بغیر دیکھے پوری تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ موصوف کی شگفتہ بیانی اور حقیقت کی عکاسی نے روداد کو چار چاند لگا دیا ہے۔ کسی بھی شخصیت کی سیرت نگاری کا بے باکانہ اظہار ملتا ہے۔ بسیار نویسی سے پرہیز کیا گیا ہے۔ اہم اور معلوماتی باتیں خوب سے خوب تر تحریر کی گئی ہیں اہم تاریخی مقامات کی سیر کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ سب سے زیادہ توجہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی تبلیغ، ترویج،

اشاعتی پروگراموں اور تعلیمی مشاغل پر دی گئی ہے تاکہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ہر راہرو اس سے استفادہ کر سکے۔ فیضانِ مدینہ جو اجتماع کا سب سے بڑا مرکز ہے اس کی تفصیل، عالیشان وسیع و عریض پرشکوہ عمارت کا ذکر علماء کی بصیرت افروز تقریروں کی روداد سن کر دل کو طمانیت اور ذہن کو وسعت نصیب ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ احساس دامن گیر ہوتا ہے کہ یہاں ہند میں بھی اہل نظر توجہ فرمائے۔

حضرت مسعود ملت کا نام نامی اسم گرامی اور کارکردگی کا سکہ تقریباً ہر ان سنی حضرات کے قلب میں بیٹھا ہوا ہے جنھیں سنی لٹریچر پڑھنے، پڑھانے کا ذوق ہے۔ یوں تو حضرت مسعود ملت کی ذات محتاج تعارف نہیں خواہ زیارت ہوئی ہو یا نہیں۔ مگر ہر صاحب دل اور حساس سنی مسلمان کی یقیناً دیرینہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ اے کاش اپنے اس عظیم محسن کی زیارت سے شرف یاب ہوتا۔ محمد زبیر قادری صاحب اپنے قارئین کے اس احساس کو محسوس کرتے ہوئے مسعود ملت مد ظلہ العالی کے صاجزادے کی شادی کی تقریب میں شرکت فرما کر گویا شادی کے حسین منظر کی تصویر پر بہار ہے تھے جسے روداد کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ شادی میں سادگی کی روداد پڑھ کر بیساختہ سبحان اللہ نکلتا ہے۔ کاش ہندوستان میں بھی اس طرح لوگ شادی کی تقریب کرتے تو آج امت مسلمہ ایک بہت بڑی لعنت یعنی بے جا اخراجات سے نجات پا جاتی۔ اس تقریب میں دینی کتابوں کی تقسیم قارئین کو دعوت فکر دیتی ہے کہ ہندوستان میں بھی یہ سلسلہ چلانا چاہیے۔ اشاعتی مرکز مکتبہ المدینہ کا اشاعتی پروگرام۔ لاہور میں مکتبہ نبویہ، تصوف فاؤنڈیشن، مکتبہ ضیاء حرم، مکتبہ قادریہ، گنبد خضراء پبلی کیشنز، مکتبہ نوریہ رضویہ کی تفصیل اور سنی کتابوں کے ذخیرہ کی روداد پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ پاکستان میں مسلکِ اعلیٰ حضرت اور ان کے افکار و نظریات کا پودا اب سرسبز شاداب تناور درخت کی حیثیت حاصل کر چکا ہے اس پر تمام سنیوں کو فخر کرنا چاہیے۔ محترم بھائی محمد زبیر قادری صاحب نے حضور داتا گنج بخش لاہوری کے دربار، ان کے فیضان اور عشاق اولیاء کی لمبی قطاروں کی جو تفصیل بیان کی ہے گویا اپنے قلب و نگاہ کو قارئین کے سپرد کر دیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قارئین اس حسین منظر کو دیکھ رہے ہیں اور محظوظ ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سیاحی مرکز مینار پاکستان، شاہی مسجد، مل پارک، کلفٹن، حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ ٹھٹھہ کی درگاہیں، مکلی کا قبرستان کی سیر اپنی روداد کے ذریعہ قارئین کو کرا دیتے ہیں۔ ان تمام امید افزا حالات اور ترقی پذیر ملک کے باوجود وہاں کی کمزوریوں کی طرف بھی بھائی زبیر قادری نے اشارہ کر دیا ہے یہ ان کی دیانت داری اور حقیقت بیانی کا بین ثبوت ہے۔ مثلاً پاکستان کے دینی اداروں کی زبوں حالی کا ذکر

اس میں قوم کی بے حسی ملاحظہ ہو۔ رقم طراز ہیں :۔

"باتوں باتوں میں انھوں نے پاکستان کے دینی اداروں کی زبوں حالی کا ذکر کیا کہ دینی مدارس میں پڑھنے والے طلباء کی اکثریت اُن لوگوں کی ہے۔ جن کے والدین کے پاس ان کی پروش اور تعلیم کے اخراجات اٹھانے کی استطاعت نہیں ہے۔ چونکہ ہمارے مدارس میں تعلیم کے ساتھ مفت قیام وطعام کی سہولت فراہم کی جاتی ہے اس لئے والدین یہاں اپنے بچوں کو ڈال کر ان کی کفالت سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ ان کا دینی تعلیم حاصل کرنا کسی شوق یا علم دین کی خدمت کے طور پر نہیں بلکہ ان کے والدین کی ایک مجبوری کے تحت ہوتا ہے کہ جب تک بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ ان کی کفالت سے بری الذمہ ہو گئے اور جب وہ تعلیم مکمل کر چکے بالغ ہو گئے تو خود اپنے روزگار کیلئے جدوجہد کریں گے۔ مدارسِ اسلامیہ سے فارغین کی اکثریت ایسے لوگوں پر ہی مشتمل ہوتی ہے جو باہر نکل کر صرف روزی روٹی کے حصول کے چکر میں رہتے ہیں۔ اور اکثر فاتحہ خوانی، قرآن خوانی، میلاد خوانی وغیرہ کاموں میں لگ کر ایک عالم کے صحیح کردار کو مسخ کرنے میں لگ جاتے ہیں۔"

(سہ ماہی "افکار رضا" صفحہ ۴۷ شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء)

حضرت ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کا یہ مشاہداتی بیان حقیقت پر مبنی ہے اس معاملے میں مجھے امید راسخ ہے کہ ہمارے ہندوستان کے مدارس بھی پیچھے نہیں۔ الاماشاء اللہ۔

محترم محمد زبیر قادری صاحب قارئین کے روبرو پاکستان کے بیشتر سنی علماء وادباء کرام کو پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری مدظلہ العالی، حضرت سید وجاہت رسول قادری صاحب مدظلہ العالی، محسن قوم وملت پروفیسر مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی کے اخلاق کریمانہ کی وضاحت نے ان نفوس قدسیہ کی ملاقات کا مشتاق قارئین کو بنا دیا ہے۔

الحاصل یہ کہ زبیر قادری صاحب نے اس مختصر سی روداد میں قارئین کو بہت ساری معلومات فراہم کر دی ہے جو کہ انھیں کا ملکہ ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ انھیں حیاتِ خضر عطا فرمائے۔ اور تاحین حیات مسلک اہل سنت کی خدمت لیتا رہے، ساتھ ہی فدوی راقم الحروف سے بھی۔ آمین

OOOOOOO

جہانِ رضا کے حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر پر ایک نظر

مولانا محمد وارث جمال قادری صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت۔ ممبئی

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

امام التارکین مجاہدِ ملت حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی سابق صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے "جب تم کوئی کام کرو تو وہ خالص رضائے الٰہی کے لئے ہو اس میں اپنے نام و نمود کو دخل مت دو۔ اس کے صلے میں اللہ جل مجدہ اپنے فضل سے تمہارا نام اور کام اتنا بلند فرمادے گا کہ تم خود لاکھ کوششوں کے باوجود اپنا نام اور کام اتنا بلند نہیں کر سکتے۔"

اس حقیقتِ صادقہ کی روشن مثال درویش کامل و دانائے راز محسنِ سنیت محترم الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری قدس سرہ العزیز کی ذات ہے جنھوں نے ۳۳ برس قبل "مجلس رضا" کی شکل میں اخلاص کا ایک پودا لگادیا جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا و تناور درخت ہوگیا، جس کی شاخیں مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پھیل گئیں، انھوں نے آندھیوں کی زد پر عشق و عقیدت کا ایک ایسا چراغ جلایا کہ اس چراغ سے اتنے چراغ جلے جس سے ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ تک جگمگا اٹھے۔

تیرگی سے جو شب بھر لڑتا تھا وہ دیا مہر و ماہ سے بڑا تھا

مولیٰ عزوجل نے ایک بوڑھے وجود میں اتنی توانائیاں اور اتنی صلاحیتیں عطا فرماکر اسے عزم و استقلال کا ایسا پیکر بنادیا تھا جس نے وقت کے منفی دھارے پر نہ صرف ایک مضبوط بند باندھا بلکہ اسے مثبت و صحیح سمت بھی عطا کیا۔ اور نام نہاد مورخین، محققین، مصنفین اور ضمیر فروش قلم کے مزدوروں کی اجتماعی بردہ فروشی پر ایک کامیاب روک لگادی۔ جو غداروں کو وفادار، چوروں کو سردار، بھگوڑوں کو غازی، ڈاکوؤں کو سردار اور قاتلوں، لیٹروں، ظالموں، ہوس کاروں کو غازی نمازی مجاہد فی سبیل اللہ ثابت کرکے ایک ملک کی پوری تاریخ بدلنے جارہے تھے۔

وہ چلا تو اکیلا تھا مگر جب چلنے پر آیا تو زمانہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔

وہ اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

انھوں نے اپنے فضل و کمال پر سادگی و فروتنی کی ایک بڑی سی دبیز چادر لپیٹ رکھی تھی۔ بڑی خاموشی سے انھوں نے کارناموں پر کارنامے انجام دیئے محض رضائے الٰہی کے لئے! تو پھر ان کے رب نے اپنے فضل سے ان کے نام کو اتنا بلند فرمادیا جس کی صدائے بازگشت دنیا کے کئی براعظموں میں دور دور

تک سنائی دے رہی ہے۔ اور ان کے کام میں اتنی کشش پیدا کر دی کہ آج دنیا بھر میں اہل دل، اہل نظر اور اخلاص پیشہ افراد پر مشتمل ایک بڑا وباشعور طبقہ اس کام کو اپنا کام اور دین کا کام سمجھ کر اس میں بھڑ چکا ہے۔

دیکھتے ہی مجھے دل والوں نے دل تھام لیے — درد وہ شے ہے جسے حاجت فریاد نہیں

اب سے ربع صدی قبل وہ وقت یاد کیجئے جب عبقری الشرق امام مظلوم امامِ عشق و محبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے مقدس نام کو مذہبی دہشت گردی کی علامت بنا کر ان سے مسلمانوں کے ایک بڑے وباشعور اور تعلیم یافتہ طبقہ کو دور کر دیا گیا تھا۔ ناخدا ترسوں اور دین و دیانت کے دشمنوں کے پیدا کردہ ماحول میں یہ نام ایک گالی کے مترادف ہو کر رہ گیا تھا۔ آپ کو تذکرہ و تاریخ اور قاموس المشاہیر کی فہرست سے تقریباً نکال باہر کر دیا گیا تھا جس میں دشمنوں اور خطاکاروں کے ساتھ ساتھ ہماری اجتماعی بے حسی و عقیدتِ جامد کا بھی تصور تھا۔ ظالموں، ضمیر فروشوں اور قلم کے بددیانت مزدوروں نے تاریخ انسانی کی ایک حیرت ناک و قابل احترام شخصیت کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟

اس کیوں کی تفصیل بڑی دردناک بھی ہے، حیرتناک اور خوفناک بھی جو بڑی تفصیل طلب ہے۔ اللہ کے مخلص بندوں نے جس کو مجلدات کی شکل میں مختلف عنوانات سے جمع بھی کر دیے ہیں۔ مختصر لفظوں میں اتنا سمجھ لیجئے کہ آپ کے زمانے میں برصغیر ہند مذہبی و نیم مذہبی، سیاسی و نیم سیاسی اور قومی فتنوں کا دنگل تھا۔ جو مسلمانوں کے وجود اور ان کے اسلامی تشخص کو برصغیر ہند سے خس و خاشاک کی طرح بہالیجانا چاہتا تھا۔ اور یہ فتنے حضرت شیخ عبد العزیز محدث دہلوی کے آخری دور ہی میں برطانوی استعمار کے سیاسی بطن سے تولد ہو چکے تھے۔ جسے برطانوی حکومت کی عظیم طاقت، توانائی فراہم کر رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت کا دور آتے آتے جس نے بڑی شدت اختیار کر لی تھی۔ مغربی استعمار نے جسے غیر معمولی استحکام بخش دیا تھا جس کے پس پردہ ہنود و یہود کا دماغ کام کر رہا تھا۔ جو مسلمانوں پر کئی جہتوں سے حملہ آور تھے۔

وقت کے ہاتھوں ہزاروں کارواں — منزلیں اپنی بدل کر رہ گئے

انھیں تمام فتنوں کی سرکوبی اور ان کے استیصال کے لئے مولیٰ عزوجل نے اس رجلِ عظیم کا انتخاب فرمایا جسے دنیا نے شیخ الاسلام والمسلمین معجزۃ من معجزات سید المرسلین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے نام سے جانا و مانا۔ اور آپ نے اپنے رب عزوجل کی دی ہوئی توفیق و توانائی سے ان تمام فتنوں کی سرکوبی کی جو اسلام اور مسلمانوں کو برصغیر ہند سے مٹا دینا چاہتے تھے۔

کیا یوں ہی جگمگائے ہیں منزل کے راستے — لاکھوں چراغ خون شہیداں سے آئے ہیں

تحریکِ مواخات، تحریکِ ہجرت، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ ترکِ گاؤکشی، تحریکِ خلافت،

تحریک مسئلہ قومیت، تحریک ندوہ، تحریک وہابیت، تحریکِ نیچریت، تحریکِ قادیانیت وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ سیاسی و نیم سیاسی، مذہبی و نیم مذہبی اور قومی فتنے تھے جو مغربی سامراج و ہندو سامراج کی خوفناک سازش کا نتیجہ تھے اور جس کی حقیقی قیادت، امامت دشمن کے ہاتھ میں تھی۔ امام احمد رضا کا سیاسی و مذہبی و قومی شعور و بالغ نظری اور سب سے بڑھ کر ان کی فراستِ مومن جو پوری طرح چاک و چوبند تھی۔ وہ ایک عظیم دانائے راز تھے ان کی فراستِ مومن اپنے زمانے سے بہت آگے زمان و مکان کی موٹی دیواروں اور دبیز پردوں کو چیر کر دیکھتی تھی، اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله

مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اک دانشِ نورانی اک دانشِ برھانی ۔۔۔ ہے دانشِ برھانی حیرت کی فراوانی

برصغیر ہند ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام بلکہ مرکز و صدرِ اسلام مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں آپ کے علم و فضل اور عشق اخلاص کی دھوم مچی تھی۔ بقول صاحبِ تفسیر خزائن العرفان و استاذ العلماء سلطان العلوم حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادابادی علیہ الرحمہ

"موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف عالم اسلام کے حوادث و وقائع استفتاء کے لئے رجوع کیے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کے فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہی تمام بدمذہبوں کے جواب بھی لکھتا تھا، اہلِ باطل کی تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کا جواب بھی لکھتا تھا"

یہی وجہ تھی کہ پورے برصغیر کا مسلمان اپنے مذہبی و دینی معاملات میں صرف بریلی شریف کی طرف دیکھتا تھا جو وہاں سے فیصلہ ہوتا اس پر آنکھیں بند کر کے عمل پیرا ہوتا تھا۔ متحدہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے دلوں پر پورے ادب و احترام کے ساتھ امام احمد رضا کا قبضہ تھا اس لئے جدھر وہ رخ کرتے اسی طرف پورا برصغیر چل پڑتا۔ اعلیٰ حضرت کا ایک جنبشِ قلم اسلام دشمن قوتوں اور ان کے نمائندوں کی ساری بساط الٹ دیتا۔ اس صورت حال سے اسلام دشمن قوتیں اور امام احمد رضا کے حریف حواس باختہ اور بہت پریشان رہا کرتے تھے اور رات دن اسی سوچ و فکر میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں کو مولانا احمد رضا خاں سے کیسے دور کیا جائے۔ چنانچہ بڑے منظم پیمانے پر آپ کے خلاف ایک تحریک چلائی گئی، کردار کشی کی تحریک اور آپ کے خلاف کذب و افترا، دجل و فریب، بہتانات و الزامات کا کاروبار جنگی پیمانے پر پھیلایا گیا۔ اور ایسی بے سروپا باتیں آپ کی ذات سے منسوب کی گئیں جن کا دور دور تک آپ سے کوئی علاقہ ہی نہیں تھا اور اس کے لئے زبان و قلم اور پریس کا استعمال بڑی بے رحمی و خدا ناترسی کے ساتھ کیا گیا اور ہٹلر کے دست راست گوئبلز کے اس قول پر بڑی سختی کے ساتھ عمل کیا گیا کہ۔

"ایک جھوٹ کو اتنی بار دھراؤ کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے"

یہود و ہنود اور پیٹرو ڈالر کی طاقت نے آپ کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنالیا اور اس امام برحق و امامِ مظلوم کے خلاف اندر سے باہر تک سینہ سپر ہو گئے اور مسلمانوں کو آپ سے دور کرنے کیلئے وہ سارے ہتھ کنڈے استعمال کئے گئے جو انسانی امکان میں تھا۔ ہر طرف اور ہر محاذ پر فرضی لٹریچر کا طوفان کھڑا کر دیا گیا حد یہ کہ آپ کے نام کو مذہبی دہشت گردی کی علامت قرار دیدیا گیا۔ اور آپ کی حیرت انگیز کوہ پیکر قد آور علمی و دینی شخصیت کو طرح طرح کے بے بنیاد الزامات سے ڈھک دیا گیا جس کے لئے نہ صرف اردو بلکہ عربی و انگریزی جیسی عالمگیر زبان کو بروئے کار لایا گیا۔ فلعنة الله على الكاذبين المكذبين المفسدين الظلمين ~

وہی ہے تازگی رسم یوسف و منصور　　کہ حد وہی ہے ابھی جرمِ بے گناہی کی

ایسے رستاخیز اور تاریک ایام میں جب علمی حلقوں، سنجیدہ طبقوں، جدید دانش کدوں، باشعور لوگوں اور ایک خاص بڑے حلقے میں "امام احمد رضا" ایک گالی کے مترادف کر دیا گیا تھا تو اللہ عزوجل نے اپنے ایک معمولی بندے کو غیر معمولی توانائیاں اور صلاحیتیں اور عزم و استقلال عطا فرما کر کھڑا کر دیا کہ میرے بندۂ خاص اور میرے محبوب کے عاشقِ صادق اور سچے غلام احمد رضا کے خلاف اس طوفانِ بد تمیزی اور اس کے خلاف برپا کی گئیں تمام سازشوں کے تار و پود بکھیر دو۔

چنانچہ خدا کے اس بندے نے دیکھتے ہی دیکھتے بڑی پامردی کے ساتھ اس تعلق سے وہ سب کچھ کر گذرا جسے صرف سوچا جاسکتا تھا۔ بڑی خاموشی کے ساتھ ایسے اور اتنے کارنامے انجام دیے جو چند متحرک انسٹی ٹیوٹ، بڑے بڑے ریسرچ سینٹر، بڑی بڑی انجمنیں و اشاعتی ادارے نہیں کر سکتے تھے۔

بقول پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایڈیٹر جہان رضا، لاہور

"ان (یعنی حکیم موسیٰ امرتسری) کی ساری زندگی امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے عشق ہی میں گذری۔ آپ نے انھیں کے علمی مقامات اور نظریات کی اشاعت میں زندگی کی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔ آپ کی افکار کی اشاعت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں چھپوا کر تقسیم کیں اور ہر پڑھے لکھے شخص کے دروازے پر دستک دی اور اسکے سامنے اعلیٰ حضرت کے نظریات پر کوئی نہ کوئی کتاب رکھدی۔ اس سلسلے میں آپنے اٹھارہ لاکھ سے زیادہ کتابیں زیور طباعت سے آراستہ کر کے پاکستان اور بیرونِ ممالک میں تقسیم کیں۔ آپکے اس کارنامے کو علماء و مشائخ اور دنیا بھر کے دانشوروں نے سراہا۔

حکیم صاحب مرحوم نے اپنے آپ کو صرف فاضل بریلوی کی تعلیمات اور نظریات کی اشاعت

تک محدود نہ رکھا بلکہ پاکستان کے دانشوروں کو اعلیٰ حضرت کے قریب کر لیا' انھیں فکرِ رضا پر لکھنے کیلئے تیار کیا اور اس طرح مختلف موضوعات پر کام ہونے لگا۔ ملک کے مختلف شہروں میں ایسے ادارے قائم کرنے والوں کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کی جو فاضل بریلوی کے نظریات پر کام کرنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ سیکڑوں اہل علم و قلم خیابانِ رضویت گلہائے رنگارنگ بن کر مہکنے لگے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے بے سروسامانی کے عالم میں وہ کام کیا جو بڑے بڑے ادارے انجمنیں اور اشاعتی کارخانے نہ کر سکے۔ وہ دن رات کام کرتے اپنی مختصر ٹیم کے ساتھ آگے بڑھتے گئے اور ان کی تہی دستی دستِ صبا بن کر سارے برصغیر پر چھا گئی اور دنیائے رضویت کے صف اوّل کے اسکالر دنیائے سنیت کے رہنما بن کر آگے بڑھے۔

(جہان رضا کے حکیم موسیٰ امرتسری نمبر کا اداریہ)

ماہنامہ "جہان رضا" لاہور پاکستان نے اس دانائے راز خادمِ دین و سنیت محسنِ دنیائے رضویت حضرت حکیم موسیٰ امرتسری کے حالات و خدمات اور خاموش کارناموں پر مشتمل ان کی خدماتِ جلیلہ کے شایانِ شان تقریباً پونے چار سو صفحات پر مشتمل ایک عظیم تاریخی دستاویزی حکیم موسیٰ امرتسری نمبر شائع فرما کر پوری دنیائے سنیت کی طرف سے ایک بڑا وقیع و خوبصورت فرضِ کفایہ ادا کیا ہے۔

فجزا هم الله احسن الجزاء.

یہ کتنی عجیب بات ہے ہاں فی زمانہ اسے عجیب ہی کہا جائے گا کہ حکیم صاحب نہ تو اعلیٰ حضرت کے تلمیذ ہیں نہ مرید و خلیفہ اور نہ ہی وہ اعلیٰ حضرت کے استاذ و مخدوم زادے نہ سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کے شیخ ہی تھے حد یہ کہ ان کے صوبے و شہر کے بھی نہیں۔ اور نہ ہی اعلیٰ حضرت سے ان کا کوئی خونی رشتہ ہی! صرف اعلیٰ حضرت کے عقیدت مند تھے ایک عاشق رسول کے عاشق۔ ایک عالم مطاع ایک دینی مقتدیٰ کے دینی کارناموں اور ان کے کارِ تجدید کی عظمتوں کو پہلے اپنی دھڑکنوں میں اتار اور ان کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی سنگینی کو بڑی شدت کیساتھ محسوس کیا پھر ان کی دفاع کیلئے بڑی پامردی و استقامت کے ساتھ کھڑے ہو گئے پھر تو دنیا نے بڑی خوشگوار حیرت کیساتھ دیکھا کہ یہ صدی بھی امام احمد رضا ہی کی صدی ہے اور آنے والی صدیاں بھی امام احمد رضا کی دینی خدمات اور ان کے سوز و دروں کی عظمتوں سے صرف نظر نہیں کر سکتیں۔

لائق مبارکباد اور قابل صد تحسین ہیں جہانِ رضا کے اربابِ بست و کشاد جو انھوں نے هل جزاء الاحسان الا الاحسان کی اتنی شاندار اور قابلِ تقلید روایت قائم کی بے شک اس کے جہاں دیدہ و سرد و گرم چشیدہ ایڈیٹر علامہ اقبال فاروقی کو یہ حق تھا کہ وہ اس عظیم نمبر کے اداریہ کو "شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم" کا عنوان دیں۔ بے شک یہ نمبر ان کی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ ہے جس پر جب ہم

لوگ اتنے خوش ہیں تو انہیں اور خوش ہونا ہی چاہئے اور یہاں اس تحدیثِ نعمت کا اظہار جی کو اچھا بھی بہت لگا۔ یہ نمبر کس قدر وقیع و دستاویزی اور تاریخی ہے اس کا ایک اندازہ اربابِ قلم کے ناموں سے بھی ہو جاتا ہے۔ علم و فضل شعر و ادب کے کتنے بڑے بڑے مسند نشینوں نے اس درویش کامل، مردِ دانا اور مجاہد فی سبیل اللہ کی بارگاہ میں اپنی عقیدتوں کا خراج تحسین و عقیدت پیش کیا ہے۔ وہ تحریر کا نہیں بلکہ نظم ہو یا نثر بڑی تفصیلات لیے ہوئے ہے۔ اس نمبر کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ ہر مقالہ نگار کا ایک جامع سوانحی خاکہ بھی شامل اشاعت ہے تاکہ قاری یہ بھی جان سکے کہ اپنی عقیدتوں کا سوغات پیش کرنے والا خود کس حیثیت و عظمت کا مالک ہے۔ مقالہ نگاروں کے ناموں کی ایک جھلک تو ملاحظہ ہو۔

ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری ایم اے پی ایچ ڈی، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی، بشیر حسین ناظم ایم اے، صاحبزادہ سید فاروق القادری، ڈاکٹر احمد حسین قریشی، پروفیسر حفیظ تائب، سید عارف محمود مجور ایم اے، پروفیسر محمد اقبال مجددی، پروفیسر سید سرفراز قادری وغیرہ۔ اسی حیثیت و نوعیت کے ۲۶ راسماء گرامی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ملک ہندوستان بھی اس بزمِ سعادت میں شرکت سے محروم نہیں رہا۔ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ کے محترم استاذ حضرت مولانا ارشاد احمد رضوی اپنی ایک گراں قدر سوغات "اے کلیم وادی کو ورضا" کے ساتھ حاضر ہیں اور ایڈیٹر اشرفیہ مولانا مبارک حسین صاحب بھی۔ اے شک حکیم موسیٰ امرتسری وادی احمد رضا کے کلیم تھے۔

اے کلیم وادیٔ احمد رضا　　　　اے عصائے موسوی در عصر ما

۲۶ ر عنوانات پر یہ نمبر مشتمل ہے اور عناوین بھی کیسے؟ ہر عنوان اپنی طرف کھینچتا ہے کہ پہلے مجھے پڑھو۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

مجھے خود اس بزمِ سعادت سے محرومی پر افسوس ہے۔ آپ کے وصال کی خبر بھی مجھے عزیزم محمد زبیر قادری ایڈیٹر "افکارِ رضا" کے ذریعے ایسے وقت ملی جب میں مع اہل و عیال اپنے پہلے فرضِ حج و زیارتِ رسول اقدس ﷺ کیلئے بالکل پابہ رکاب تھا واپسی کے بعد وطن چلا گیا۔ واپس آیا تو ذہنی طور منتشر تھا۔ نمبر کی اشاعت کی اطلاع مجھے ملی۔ میں آج کل ہی میں رہ گیا اور وہ نمبر منصۂ مشہور پر دیکھتے دیکھتے مطلع انوار بھی ہو گیا۔ اس مبسوط نمبر کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی کچھ اور ہونا چاہئے۔ سیری کے بجائے تشنگی اور بڑھ جاتی ہے۔ کچھ عنوانات تو ایسے ہیں کہ کچھ عرض کرنے کیلئے طبیعت مچلی تو مگر سہ ماہی "افکار رضا" کے صفحات نے اجازت نہیں دی ورنہ میرے خامہ عقیدت نے انگڑائی تو لی تھی!۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
وہ دانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۰ء اسلام آباد۔ پاکستان

برصغیر کی تاریخ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں سے بھری پڑی ہے وہ عالم اسلام کے مجدد روزگار عالم برصغیر کی علمی میراث کے امین، اسلامی فکر کے داعی، مبلغ اسلام ایک سچے عاشق رسول تھے۔ ان کا تحریری کام پوری امت مسلمہ کیلئے رہنمائی کا بہترین سامان ہے آپ نے دینی و علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ میدان سیاست میں بھی فکری رہنمائی کا کارنامہ سرانجام دیا آج میں یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ ملک پاکستان بھی امام احمد رضا ہی کا فیضان ہے۔ "ان خیالات کا اظہار صدر آزاد حکومت جموں و کشمیر سردار محمد ابراہیم خان نے بین الاقوامی اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان" کے زیر اہتمام اسلام آباد میں منعقد ہونے والی "امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۰ء" سے خطاب کرتے ہوئے کیا وہ کانفرنس میں بطور مہمان خصوصی خطاب فرمارہے تھے۔ جبکہ ممتاز مذہبی اسکالر، آستانہ عالیہ نقشبندیہ نیریاں شریف آزاد کشمیر کے سجادہ نشین اور محی الدین اسلامی یونیورسٹی، آزاد کشمیر کے چانسلر علامہ پیر علاؤالدین صدیقی صدر محفل تھے، تلاوت قرآن کریم اور فاضل بریلوی کی نعت شریف سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا اسلام آباد" کے چیئرمین کے۔ ایم۔ زاہد نے شرکاء کانفرنس کو خوش آمدید کہا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے ادارہ کی کارکردگی پیش کی۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ عنقریب کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے بعد آزاد کشمیر میں بھی "امام احمد رضا کانفرنس" منعقد کی جائے گی۔ نیشنل یونیورسٹی آف لینگویجز اسلام آباد کے ڈاکٹر جمیل قلندر نے مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اردو کی طرح عربی زبان وادب میں بھی مہارت کامل رکھتے تھے جس پر ان کا عربی کلام اور تصانیف شاہد و عادل ہیں۔ وہ علوم دینیہ کیساتھ ساتھ علوم جدیدہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ "ڈائریکٹر وزارت مذہبی امور حکومت پنجاب ڈاکٹر سید طاہر رضا بخاری نے کہا کہ "امام احمد رضا کی تعلیمات میں موجودہ زمانے کے تمام مسائل کا حل موجود ہے ہمیں ان سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔ محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف آزاد کشمیر کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے امام احمد رضا کے علمی و فکری کارناموں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ پاکستان میں ہر سطح کے نصاب میں فاضل بریلوی کی خدمات کا ذکر شامل کیا جائے۔ انہوں نے بحیثیت وائس چانسلر اعلان کیا کہ محی الدین اسلامی یونیورسٹی آزاد کشمیر میں "امام احمد رضا چیئر" کے قیام کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں عنقریب "امام احمد رضا چیئر" قائم کی جارہی ہے۔ ادارہ کے مرکزی صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر امام احمد رضا کے حوالے سے ہونے والے ریسرچ ورک کا تفصیلی جائزہ پیش کیا اور آئندہ کے منصوبہ جات سے شرکاء کو آگاہ کیا۔ انہوں نے وزارت اطلاعات و نشریات اور چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف سے ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا کہ پی۔ ٹی۔ وی کی صبح کی نشریات میں فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن پیش کیا جائے۔ صدر محفل پیر علاؤالدین صدیقی نے خطبہ صدارت ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ امام احمد رضا کو ہر علم و فن میں مہارت حاصل تھی وہ نظم و نثر دو میدانوں کے شہسوار تھے ان کی ذات عشق رسول کا سرچشمہ اور ترجمہ قرآن "کنزالایمان" نہایت فصیح و بلیغ ہے، ان کی ذات ہی برصغیر میں عشق رسول کو پروان چڑھانے کا ذریعہ بنی ایسی عظیم ہستی کی یاد میں کانفرنس کے انعقاد پر میں "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا" کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ کانفرنس کے شرکاء میں "مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۰ء" تقسیم کیا گیا جبکہ مہمانوں کو "مہر نبوت" کی خوبصورت شیلڈ پیش کی گئی اور پھر امام احمد رضا کے مشہور زمانہ صلوٰۃ و سلام "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" و دعائے خیر پر اس علمی وروحانی پرفکری محفل کا اختتام ہوا۔

رضا نامے

مفتی عبدالمبین نعمانی، دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو۔ یوپی

جولائی تا دسمبر ۲۰۰۰ء کا "افکار رضا" دستیاب ہوا۔ اداریہ میں جو باتیں انٹرنیٹ سے متعلق آپ نے کہی ہیں واقعی درست اور قابلِ توجہ ہیں، سبھی مضامین عمدہ ہیں خاص طور سے ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون "ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ" بہت خوب ہے۔ افسوس کہ اس رخ سے کنزالایمان پر ابھی تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا، تصحیح کنزالایمان کے دوران میرے ذہن میں یہ موضوع آیا تھا۔ اچھا ہی ہوا ڈاکٹر صاحب نے قلم اُٹھا کر یہ کمی پوری کر دی۔ "فقیہہ اعظم ہند اکابر کی نظر میں" یہ مضمون اپنے عنوان کو نبھاتا ہوا نظر نہیں آتا۔ آپ خود پڑھ لیں اور غور کریں کہ جن جن شخصیات کو شمار کیا گیا ہے کیا وہ سب یا اکثر اکابر میں آتی ہیں ان کو تو معاصرین میں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ صرف تین شخصیات اکابر میں ہیں ان کے بعد معاصرین کی سرخی ہے اور اس میں ۱۶/ حضرات ہیں جبکہ ۱ تا ۶ ہی معاصرین میں آتے ہیں، باقی اصاغر ہیں۔ آپ نے توجہ نہ دی ورنہ ایسی غلطی نہ ہوتی۔ ہاں اگر عنوان بدل دیا جاتا تو یہ مضمون اپنی اصلی حالت میں چل سکتا تھا۔

باسنی ناگور (راجستھان) کے بارے میں جو انکشافات کیے گئے ہیں واقعی حیرت انگیز ہیں۔ وہاں کے جیالے مسلمانوں کو دل کی گہرائی سے ہدیہ تبریک پیش ہے۔ مولیٰ عزوجل دوسرے مقامات کے مسلمانوں کو ان سے سبق لینے کی توفیق دے اور حوصلہ بھی۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ مدیر جہانِ رضا، لاہور۔ پاکستان

مجھے دیارِ حبیب سے واپس آئے ایک ماہ ہو گیا ہے آپ کا کرم نامہ دو ہفتے قبل تشریف لایا پھر چار رسالے "افکارِ رضا" کے اجمیری بک ڈپو کے پارسل سے برآمد ہوئے۔ افکارِ رضا کی تشنگی اور مانگ بے تابی سے بڑھ رہی ہے۔ آپ کا موجودہ "افکار رضا" بھرپور مقالات لے کر جلوہ گر ہوا۔ آپ کی محنت اور حسنِ انتخابِ مضامین پر دل خوش ہو گیا۔ ماشاء اللہ آپ نے بڑی محنت کی۔ بعض مضامین کو یہاں کے علمائے کرام نے بے حد پسند کیا اور بڑی تعریف کی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ افکار رضا کے تمام مقالات پر اپنے تاثرات لکھوں اور مقالہ نگار دانشورانِ رضویت کو ہدیہ تحسین پیش کروں۔ مگر خط کی طوالت کی وجہ سے یہ بات نہیں کر سکتا۔ بہر حال ہر مضمون، ہر مقالہ اور ہر مکالہ اچھا ہے ؎ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است!...... آپ کے ایک فاضل رضا نگار مولانا غلام جابر شمس صاحب مصباحی نے آپ کی خدمات کو ہدیہ تحسین پیش کرتے ہوئے "جہانِ رضا" کی خدمات کو بھی تعریفی کلمات سے نوازا ہے۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے۔ ان کی محبت ہے جسے وہ ہماری خدمات کے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

مجھے احمد آباد، گجرات اور دوسرے شہروں میں بسنے والے علمائے کرام کی خیریت مطلوب ہے اگر آپ وہاں جائیں اور بعض ایسے حضرات کے حالات و خیریت سے آگاہ کریں جو آپ کے حلقے سے وابستہ تھے تو مہربانی ہو گی۔

حاجی سید فرقان علی رضوی چشتی۔ خانقاہِ رضویہ، درگاہ شریف۔ اجمیر

میں خیریت سے رہ کر آپ کی خیریت بارگاہِ رب العزت بطفیل حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ سے نیک وسالم چاہتا ہوں۔ آپ کے روانہ کردہ دونوں رسالے ماہنامہ "جہانِ رضا" وسہ ماہی "افکارِ رضا" پابندی سے موصول ہو رہے ہیں۔ یہاں مقامی لوگ تو علم سے دور بجز مسلکِ اعلیٰحضرت سے بغض رکھتے ہیں۔ البتہ باہر سے آنے والے مہمان ان رسائل کو پڑھکر بہت خوش ہوتے ہیں۔ ان رسائل کو پڑھنے کے بعد اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش بھی کرتے ہیں۔ کئی لوگ ہر دو رسالہ کے پتے لے جاتے ہیں تاکہ وہ بھی اپنے علاقہ میں اس کو جاری کرا سکیں۔

"جہانِ رضا" کا خصوصی نمبر حکیم محمد موسیٰ امرتسری بھی موصول ہوا' بہت پسند آیا۔ دیدہ زیب ٹائیٹل اور مضامین ایسے کہ پورا ختم کئے بغیر چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا ہے۔ آپ کے افکارِ رضا میں انٹرنیٹ پر جو مضامین کا ذکر کیا یقین مانئے بے حد مسرت ہوئی۔ اس خوشی کا اظہار کرنے کیلئے میرے پاس کوئی الفاظ نہیں ہیں۔

والد محترم کے انتقال کے سلسلہ میں آپ ایک تعزیت نامہ وان کے بارے میں اپنے تاثرات روانہ کردیں تاکہ میں اپنی کتاب میں اس کو شائع کرسکوں۔ میں حضرت کی برسی پر ایک کتاب شائع کر رہا ہوں جتنا جلد ہو سکے ارسال کر دیں۔...... آستانہ عالیہ میں آپ کی صحت سلامتی، درازی عمر، بلندی اقبال، ترقیٔ کاروبار نیز حاضری اجمیر اور ہر دو رسائل کے فروغ اور مقبولیت کی دعا کرتا ہوں اور کرتا ہوں گا۔

محمد اعجاز رضوی۔ اُپلا، کیرالہ

فکرِ رضا انٹرنیٹ پر کی خبر سُن کر بڑی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔ باطل قوتیں رضا کے خلاف جتنی زہر افشانیاں کر رہی ہیں رضا کی شہرت اتنی ہی بڑھتی جارہی ہے۔ چند دن قبل ملیالم علاقہ میں ایک شادی میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اختتامِ نکاح پر ایک شافعی مولانا اور ان کے چند شاگرد حاضر ہوئے اور سلامِ رضا "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کے آٹھ اشعار گنگنائے۔ ملیالم علاقہ میں سلامِ رضا سن کر میں جھوم اٹھا۔ گفتگو کیا تو پتہ چلا کہ مولانا ٹوٹی پھوٹی اردو بول رہے تھے ان کا ایک شاگرد جو سلام پڑھ رہا تھا اردو سے بالکل نابلد تھا۔ ایک دوسرے علاقہ میں ایک شافعی مولانا سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے گزارش کی کہ سلامِ رضا کنڑ یا ملیالم میں لکھ کر دیں، ہم اس کو ہر جگہ پڑھا کریں گے۔ ابھی حال ہی میں "الانصار کنڑ ویکلی" میں مولانا ابو بکر فیضی شافعی کرناٹکی کا اعلیٰ حضرت کے متعلق ایک مضمون پڑھا۔ انھوں نے "مختصر تعارفِ اعلیٰ حضرت" (ملیالم۔ مرتبہ شاہ الحمید ملیباری) کا کنڑ زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ یہ مولانا بھی اردو سے ناواقف ہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کے عربی رسائل اور سوانح (عربی) ان علماء تک پہنچایا جائے تو بہتر ہوگا۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے اور آپ کیا مدد کرسکتے ہیں معلوم کرائیں۔......

یہاں ۲۸، ۲۹، ۳۰ جنوری ۲۰۰۱ء کو سنی دعوت اسلامی کا پہلا سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ جلسہ کامیاب رہا۔ شوافع علماء نے بھرپور تائید کی۔ آپ دعا فرمائیں کہ کسی طرح سنیت کا کام اور مسلک اعلیٰحضرت کی اشاعت ہو۔

عہدِ حاضر کے جلیل القدر علماء عرب کا امام احمد رضا کو خراجِ تحسین

رپورٹ : اقبال احمد اختر القادری

امام احمد رضا پر تحقیقاتی کام کیلئے جامعۃ الازہر کے دروازے کھلے ہیں'

...... نائب رئیس جامعۃ الازہر

علماء عرب سے امام احمد رضا کا تعارف کرانے میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹر نیشنل نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ...... ڈاکٹر عبدالغفور ، وائس چانسلر صدام یونیورسٹی بغداد

علماء عرب امام احمد رضا کی دینی و فکری خدمات کے سبب آج بھی انھیں مجدد مانتے ہیں، ابن تیمیہ اور ابن عبدالوہاب کے پیروکار عالم اسلام کیلئے فتنہ ہیں، ...... شیخ عبدالقادر فاکہانی ، لبنان

امام احمد رضا کی کتب کا عربی ادب میں اہم مقام ہے، ...... شیخ عمر حبیب بن محمد یمنی

محدث بریلوی عرب و عجم کے عظیم صوفی رہنما ہیں، ...... شیخ سید یوسف ہاشم الرفاعی

آج دنیائے عرب اور خاص کر عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعہ الازہر (قاہرہ، مصر) دنیائے اسلام کے عظیم فرزند اور کتب کثیرہ کے مصنف فضیلۃ الشیخ امام الاکبر المجدد امام احمد رضا الحنفی الہندی علیہ الرحمہ کی شخصیت سے اچھی طرح متعارف ہے اور اس تعارف کا تمام تر سہرا ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان کو جاتا ہے، ان خیالات کا اظہار الازہر یونیورسٹی، مصر کے نائب رئیس الجامعہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر قصبی محمود حامد زلط نے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان کے زیر اہتمام کراچی کے فائیو اسٹار ہوٹل ریجنٹ پلازہ میں علماء عرب و عجم کو دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کیا، انہوں نے کہا کہ امام احمد رضا ایک بہت بڑے عالم دین تھے ان کی خدمات کے حوالے سے جامعۃ الازہر میں تحقیقی کام شروع ہو چکا ہے اور اس ضمن میں ڈاکٹر سید حازم نے اہم کردار ادا کیا ہے، آج علماء ازہر ہی نہیں دیگر اہلیان مصر بھی اس امام کی تعلیمات سے فیض حاصل کر رہے ہیں انہوں نے مزید کہا کہ امام احمد رضا پر کسی بھی عنوان سے تحقیقاتی کام کیلئے جامعہ الازہر کے دروازے کھلے ہیں۔

صدام یونیورسٹی بغداد (عراق) کے وائس چانسلر اور امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی جامع مسجد کے خطیب و امام ڈاکٹر عبد الغفور نے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل اور برکاتی فاؤنڈیشن کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمیں یہاں مدعو کیا، آج عالم اسلام اہل سنت والجماعت کو شدید اتحاد کی ضرورت ہے تاکہ امریکہ جیسے دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا جاسکے جنہوں نے عالم اسلام اور خاص کر عراقی مسلمانوں کا جینا دشوار کر رکھا ہے، میں پاکستان کی عوام کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے حالتِ جنگ میں ہماری حوصلہ افزائی کی، ہماری سرزمین صوفیاء کی سرزمین ہے جسے شیخ عبد القادر جیلانی، امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت ابن عربی، حضرت شیخ رفاعی اور حضرت جنید بغدادی علیہما الرحمہ جیسی ہستیوں سے نسبت ہے۔ اہل پاکستان کا ان بزرگوں سے نسبت رکھنا باعثِ مسرت ہے انہوں نے کہا کہ علماء عرب سے امام احمد رضا جو کہ عظیم صوفی عالم دین تھے کا تعارف کرانے میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل نے اہم کردار کیا ہے ہمیں خوشی ہوگی اگر یہاں کہ طلبہ اور علماء 'صدام یونیورسٹی بغداد تشریف لائیں اور وہاں کے لوگ یہاں آتے رہیں...... بیروت لبنان کی جمعیۃ المشاریع الخیریہ کے رئیس جلیل القدر عالم دین مبلغِ اسلام شیخ عبد القادر فاکہانی نے اپنے خطاب میں وہابیوں کی چالاکیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ جو یہاں دیوبندی، وہابی، ندوی اور سلفی کہلاتے ہیں جب ہمارے ہاں عرب میں آتے ہیں تو اپنے کو حنفی اور صوفی ظاہر کرتے ہیں جس سے اہلِ عرب دھوکہ کھا جاتے ہیں مگر اب ہم اصل صوفی اور اہل سنت والجماعت تک پہنچ چکے ہیں اب ان لوگوں کی چالیں کامیاب نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ ابن تیمیہ اور ابن عبد الوھاب نجدی کے پیروکار آج عالم اسلام کیلئے فتنہ بنے ہوئے ہیں عرب و عجم کے اہل سنت نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے، انہوں نے کہا اعلیٰ حضرت امام عظیم امام احمد رضا اپنی دینی و فکری خدمات اور عشق رسول (ﷺ) کے سبب آج بھی اہل عرب کے سروں کا تاج ہیں ہم آج بھی انہیں مجدد مانتے ہیں ان کا سب سے بڑا کارنامہ مسلک اہلسنت کا تحفظ اور وہابیہ کے خلاف قلمی جہاد ہے۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کے جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے مہمانوں کے سامنے امام احمد رضا کا مختصر تعارف پیش کیا۔ ترجمانی کے فرائض علامہ شمس الھدیٰ مصباحی نے ادا کئے جبکہ مرکزی صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری نے ادارہ کے زیر اہتمام ہونے والے بین الاقوامی تحقیقاتی کاموں کی تفصیلات سے مہمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ ادارہ اب تک ایک لاکھ سے زائد تعداد میں مختلف زبانوں میں کتب شائع کر چکا ہے جبکہ تقریباً 25 یونیورسٹیوں میں ادارہ کی

کوشش و سرپرستی سے ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے جارہے ہیں جبکہ "6" فضلاء Ph.d کر چکے ہیں۔ ادارہ نے عرب دنیا سے روابط کیلئے "الرابطہ انٹرنیشنل" کے نام سے ایک الگ شعبہ قائم کیا ہے جو گذشتہ تین برس سے سرگرم عمل ہے اور آج یہاں ہم سب کا جمع ہونا اسی کی کوششوں کا ثمر ہے، انہوں نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور مستقبل میں علمی روابط بڑھانے پر زور دیا۔......ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری نے ادارہ کی طرف سے عربی، انگریزی اور اردو زبانوں میں کتب کا تحفہ تمام مہمانوں کو پیش کیا۔

استقبالیہ سے یمن کی عظیم روحانی شخصیت علامہ شیخ عمر حبیب بن محمد بن حفیظ یمنی (شیخ طریقت و رئیس دار المصطفیٰ تریم، یمن) نے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں الشیخ احمد رضا القادری سے اچھی طرح متعارف ہوں وہ بہت بڑے عالم دین اور امام العصر تھے میں نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہے عربی ادب میں ان کی کتب کا اہم مقام ہے وہ علماء اور صوفیاء دونوں کے امام ہیں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل نے اہل عرب کو ان جیسی ہستی سے متعارف کرا کر ہم پر احسان کیا ہے۔

دبئی کے وزیر اوقاف فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر السید عیسیٰ بن مانع نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ الشیخ احمد رضا القادری عرب میں ایک بہت بڑے صوفی اور عالم کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں وہ جیسے عجم کے امام ہیں ویسے ہی عرب بھی انہیں اپنا امام تسلیم کرتے ہیں اس عظیم امام کی تعلیمات کی روشنی میں عرب و عجم کو متحدہ ہو کر ہنود و یہود کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا جس کے لئے باہمی رابطہ کی اشد ضرورت ہے۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کے اس استقبالیہ میں جن علماء و مشائخ نے شرکت کی ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں :

☆ نبیرۂ سرکار غوث الاعظم مخدوم سید عبد الرحمٰن گیلانی، متولی دربارِ غوثیہ بغداد ☆ ڈاکٹر شیخ قصیبی محمود زلط، نائب رئیس الجامعۃ الازھر، مصر ☆ شیخ ڈاکٹر محمد مجید السعید، چانسلر صدام یونیورسٹی، بغداد ☆ الشیخ ڈاکٹر عبد الغفور، وائس چانسلر صدام یونیورسٹی، بغداد ☆ الشیخ الاستاذ جمیل حریری، جمیعۃ المشاریع الخیریہ، لبنان ☆ مبلغ اسلام شیخ عبد القادر فاکہانی، رئیس جمیعۃ المشاریع الخیریہ، لبنان ☆ شیخ طریقت عمر حبیب بن محمد بن حفیظ یمنی، رئیس دار المصطفیٰ تریم، یمن ☆ فضیلۃ الشیخ الاستاذ السید یوسف ہاشم الرفاعی، سابق وزیر اوقاف، کویت ☆ الشیخ ڈاکٹر محمود عاشور ازھری، وکیل الازھر، مصر ☆ الاستاذ ڈاکٹر حازم محمد احمد المحفوظ مصری، استاذ جامعۃ الازھر، مصر ☆ الشیخ ڈاکٹر محمد علی فتح اللہ الازھری، استاذ جامعۃ الازھر، مصر ☆ علامہ مفتی عبد المنان اعظمی، جامعۃ الاشرفیہ مبارکپور انڈیا ☆ علامہ مفتی نظام الدین مصباحی، جامعۃ الاشرفیہ مبارکپور انڈیا ☆ علامہ شمس الھدیٰ مصباحی، جامعۃ الاشرفیہ مبارکپور انڈیا ☆ علامہ عبد الحفیظ مصباحی، جامعۃ الاشرفیہ مبارکپور انڈیا ☆ علامہ سید علیم الدین قادری، ساؤتھ افریقہ ☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، کراچی ☆ علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، جامعہ نظامیہ لاہور ☆ مفتی محمد خان قادری، لاہور ☆ علامہ محبّ اللہ نوری، بصیر پور اوکاڑہ ☆ علامہ فیض احمد اویسی، بہاولپور ☆ ڈاکٹر محمد شریف سیالوی، بہاؤالدین یونیورسٹی ملتان ☆ علامہ سعید اسد، گجرانوالہ ☆ ڈاکٹر جلال الدین نوری، کراچی یونیورسٹی ☆ علامہ غلام محمد سیالوی، شمس العلوم جامعہ رضویہ، کراچی ☆ علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی، چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان ☆ پروفیسر علامہ منیب الرحمٰن نعیمی، دار العلوم نعیمیہ کراچی ☆ علامہ مفتی ڈاکٹر حافظ عبد الباری صدیقی، شاہی امام جامع مسجد شاہجہاں ٹھٹھہ سندھ ☆ علامہ اکرام حسین سیالوی، شمس العلوم جامعہ رضویہ کراچی ☆ مولانا ابا قاسم، دار العلوم امجدیہ کراچی ☆ مولانا عامر بیگ، المرکز اسلامی کراچی ☆ قاری محمد مسعود احمد حسان، دار العلوم، امینیہ رضویہ فیصل آباد ☆ مولانا محمد امین رضوی، لاہور ☆ مولانا حاجی محمد رفیق برکاتی، برکاتی فاؤنڈیشن ☆ پروفیسر غلام عباس قادری، کراچی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اخبارِ رضا

☆ جماعت رضائے مصطفیٰ نے ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کی نئی تحقیقی کتاب "امام احمد رضا اور الجبرا" شائع کر کے اسکولوں، کالجوں اور لائبریریوں میں مفت تقسیم کی۔ ☆ محی الدین یونیورسٹی، آزاد کشمیر میں "امام احمد رضا چیئر" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ یونیورسٹی کے چانسلر علامہ پیر علاؤالدین صدیقی اور وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے تمام اشاعتی اداروں سے اپیل کی ہے کہ وہ اس شعبہ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مطبوعات روانہ فرمائیں۔ ☆ نگران "مرکزی مجلس رضا لاہور" پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے اس سال عمرہ کی سعادت حاصل کرتے وقت دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری کے دوران بارگاہِ نبوی میں دنیائے اسلام سے آئے ہوئے وفود، مشائخ اہلسنت اور علمائے اہلسنت سے ملاقات کر کے انھیں "مرکزی مجلس رضا" کی اشاعتی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ ☆ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے "کنزالایمان کی عرب دنیا میں پذیرائی" مرتبہ صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری شائع کر کے عام کی ہے۔ ☆ "امام احمد رضا اور فتنۂ قادیانیت" مولفہ محمد انور قریشی شجاع آبادی، "مرکزی مجلس رضا لاہور" نے اپنے تمام اراکین میں تقسیم کی ہے۔ ☆ حضرت علامہ حافظ الدین الکردری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مقامات امام ابو حنیفہ" کا اردو ترجمہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور سے شائع ہو گیا ہے۔ ☆ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے خطابات پر مشتمل "جلاء الخواطر" اردو ایڈیشن مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور سے چھپ گیا ہے ☆ دار العلوم مجاہدِ ملت، دھام نگر شریف، بھدرک اڑیسہ سے سہ ماہی "ضیاء الحبیب" کا اجراء ہوا ہے۔ قیمت ۱۳ ر روپے۔ ☆☆

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہوگا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش: محمد احمد ترازی